هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

جلد ۱۵ نمبر ۲، ۳، ۴ | ماہ صفر و ربیعین سنہ ۱۳۶۷ھ

تبلیغی و اصلاحی ماہنامہ

مُدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

یاد رکھیے!

"الفرقان" اور "کتبخانہ الفرقان" بریلی سے لکھنؤ منتقل ہو گئے ہیں
لہٰذا جملہ خط و کتابت اور فرمائشات وغیرہ کیلئے ذیل کا پتہ یاد رکھیے!
دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ (یو۔پی)

چندہ سالانہ چار روپیہ | نمونہ کا پرچہ چھ آنے

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ کی مطبوعات

کلمۂ طیبہ ۔ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح) ۵ر
نماز ۔ (نماز کی عظمت اہمیت اور اسکی حقیقت) ۱۲ر
حکمت ولی اللّٰہی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی علمی خصوصیات پر مولانا عبید اللہ سندھی کا بلند پایہ مقالہ جو "شاہ ولی اللہ نمبر" میں بھی شائع ہو چکا تھا ۸ر
منصب تجدید کی حقیقت
تجدید و احیاء دین کے موضوع پر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کا قابل دید مقالہ جو "شاہ ولی اللہ نمبر" میں بھی شائع ہو چکا ہے ۸ر
خطبات لمبیٰ (جناب مدیر الفرقان کی آٹھ تقریریں) ......عہ
تدوین اصول فقہ
از قاضی عبد الرحمٰن (ایم اے عثمانیہ) فن اصول فقہ کی تاریخ اور اسکے ممتاز مصنفین اور انکی تصانیف پر تبصرہ اس کتاب کا موضوع ہے عجیب و غریب فاضلانہ تصنیف ہے ......عہ
تحقیق مسئلہ ایصال ثواب
(از مدیر الفرقان) ۶ر
فتنۂ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانیؒ کا جہاد ۴ر
جدید تعلیم اور علمائے کرام ...۳ر ۔ نماز اور خطبہ کی زبان ...۳ر
اسلام اور نظام سرمایہ داری ۸ر
اسلام کا نظریۂ سیاسی (از مولانا مودودی) ۲ر
روداد مناظرہ بریلی ...۸ر ۔ مباحثہ سماج بریلی ...۴ر

کتب خانہ الفرقان میں

مفید دینی اور اصلاحی کتابوں کے مہیا رکھنے کی خاص کوشش کیجاتی ہے

خصوصاً

"دار المصنفین" "ندوۃ المصنفین" اور "مکتبہ جماعت اسلامی" جیسے علمی و دینی اداروں کی مطبوعات

اور گذشتہ و موجودہ اکابر علماء میں سے شاہ ولی اللہؒ اور انکے سلسلہ کے دیگر اکابر و مشائخ کی تصنیفات اور علماء دیوبند و سہارنپور کی خاص تالیفات حتی الوسع جمع رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے

اس کے علاوہ

چونکہ لکھنؤ میں اور بھی چند بڑے بڑے کتبخانے ہیں جن سے کتابیں لیجا سکتی ہیں اسلئے آپ "کتب خانہ الفرقان" سے ہر قسم کی اچھی اور مفید کتابیں طلب فرما سکتے ہیں

حضرت مولٰنا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت کا جدید اڈیشن (تیار ہو گیا) ......عہ
مسلمانوں کی اصلی طاقت اور اسکے عروج و زوال کے اسباب ...۶ر
برکات رمضان المبارک
(از مدیر الفرقان) ۵ر
میری زندگی کے تجربے
(از مدیر الفرقان) ۶ر
بوارق الغیب (حصۂ اول)
کاغذ سفید چکنا ۱۲ر
کاغذ رف سفید ......عہ
بوارق الغیب (حصۂ دوم)
کاغذ سفید چکنا ......عہ
کاغذ رف سفید ۱۲ر
شارع حقیقی کاغذ چکنا ۴ر
کاغذ رف ۳ر
مسئلۂ خدا شناسی ۳ر
احکام النذر لاولیاء اللہ و تغییر ما اہل بہ لغیر اللہ ۳ر
مسئلہ حیات النبی کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ قیمت ۳ر
حضرت مجدد الف ثانی اور زمانۂ حال کے اہل بدعت ۴ر
خاکسار تحریک کیوں قابل قبول نہیں؟ ۳ر
علم انجیل (اصلی انجیل کے دنیا سے ناپید ہونے کا ثبوت) ۴ر
مسئلہ علم غیب پر فیصلہ کن مناظرہ ... قسم اول ۸ر قسم دوم ۶ر
روداد مناظرہ گیا ...۸ر ۔ کوائف لمبیٰ ۳ر

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد (۱۵) | بابتہ ماہ صفر و ربیعین ۱۳۶۷ھ | نمبر (۲-۳-۴)

دو ضروری باتیں

(۱) اس جگہ ▭ سرخ پنسل کا نشان اور رسالہ میں منی آرڈر فارم اس بات کی نشانی ہے کہ آپ کی مدت خریداری تین ماہ کے اس مشترک پرچہ پر۔ یا گذشتہ ماہ ربیع الاول پر۔ یا گذشتہ سے پیوستہ ماہ صفر پر ختم ہو گئی لہذا آئندہ کیلئے چندہ سالانہ مبلغ چار روپئے بھیجکر ممنون فرمائیے۔ ورنہ اگر اگلی اشاعت تک چندہ بذریعۂ منی آرڈر وصول نہیں ہوا اور کوئی اطلاع بھی نہیں آئی تو حسب قاعدہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا۔

خط و کتابت اور ترسیل زر کے وقت منی آرڈر کوپن پر اپنا نام و پتہ اور نمبر خریداری ضرور لکھئے

(۲) **بعض حضرات!** اپنی مالی مشکلات ظاہر فرما کر الفرقان کے چندہ میں تخفیف چاہا کرتے ہیں فی الحال ہمارے لئے اسکی کوئی گنجائش نہیں ہے البتہ اسوقت مد زکوٰۃ کی کچھ رقم الفرقان میں جمع ہے، جو حضرات زکوٰۃ کے واقعی مستحق ہوں اور الفرقان کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں عملی حصہ لینے کو تیار ہوں وہ اسوقت نصف چندہ (دو روپئے) بھیجکر الفرقان جاری کرا سکتے ہیں، باقی دو روپے اُنکے حساب میں مد زکوٰۃ سے داخل کر دیئے جائینگے۔ (ناظم "الفرقان" لکھنؤ)

(محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ سے شایع کیا)

ایک ضروری اطلاع :- پاکستان سے منی آرڈر آسکتا ہے لیکن وہاں کے ڈاک ٹکٹ یہاں ہندوستان میں کارآمد نہیں ہیں لہذا کوئی صاحب یہ ٹکٹ دفتر کو نہ بھیجیں۔ ناظم "الفرقان" لکھنؤ۔

باسمہٖ سبحانہٗ حمداً و سلاماً

نگاہِ اوّلیں

(از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہٗ)

"الفرقان" کی اس سے پہلی اشاعت (بابت ماہ محرم) میں عرض کیا گیا تھا کہ اگر ہم کو کاغذ کافی مل سکا تو الفرقان کی اشاعت کو وقت پر لانے کے لئے آئندہ مہینہ ہم صفر سے ربیع الثانی تک، تین مہینوں کا رسالہ مشترک شائع کرینگے۔ لیکن کاغذ حاصل کرنے کے لئے جب کوشش کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس وقت لکھنؤ میں کاغذ کی بیحد کمی ہے اور زیادہ ملنا کجا، ہر مہینہ جتنا کاغذ عام طور سے ملا کرتا ہے اسوقت اتنا بھی ملنا مشکل ہے ـــــ لیکن اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے کچھ مدد فرمائی اور بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اتنا کاغذ مل سکا کہ ۱۱۲ صفحے کا یہ رسالہ کسی طرح تیار ہو گیا، اگر کاغذ کچھ اور مل سکتا تو اس سے زیادہ صفحات کا ارادہ تھا۔

کاغذ کے مقامی ایجنٹ نے بتلایا ہے کہ آئندہ مہینہ کاغذ بہت بڑی مقدار میں آ رہا ہے اور اُمید ہے کہ اس کے بعد کاغذ کی کمی کا دور ختم ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارا پختہ ارادہ ہے کہ اگلے چند مہینوں تک، ہر مہینہ کی اشاعت میں ۸ صفحہ کا اضافہ کر کے انشاء اللہ ہم اس مشترک نمبر کے صفحات کی کمی کی تلافی کرینگے۔

اس مشترک رسالہ کے اکثر مضامین "دعوتِ اصلاح و تبلیغ" ہی سے متعلق ہیں، سب سے آخر میں دو دو ورق کے دو پمفلٹ وہ ہیں جو لکھنؤ کی "جماعت اصلاح و تبلیغ" نے "کانفرنس مسلمانانِ ہند لکھنؤ" (منعقدہ ۲۷-۲۸ دسمبر ۴۷ء) کے موقع پر کانفرنس کے نمائندگان اور شاہدین تک اپنی دعوت پہنچانے کے لئے شائع کئے تھے۔ ان میں جو دعوت دی گئی ہے وہ تو مستقل چیز ہے لیکن آخر میں خاص کانفرنس سے متعلق جو سطریں ہیں وہ صرف اُسی وقت کیلئے تھیں، اب ان کو

قلمزد سمجھا جائے[1]۔

ایک مقالہ بعنوان "مسلمانوں کی کمزوری کا بنیادی سبب"، پچھلی ڈیڑھ دو اشاعتوں سے الفرقان میں شائع ہو رہا تھا، اس نمبر میں اس کی آخری قسط پیش کی جا رہی ہے۔ یہ مقالہ دراصل مسلمانانِ عالم کیلئے وقت کی ایک اہم دعوت ہے اس کو چھوٹے کتابی سائز پر علیحدہ بھی چھپوا لیا گیا ہے "مسلمانوں میں دینی انقلاب برپا کرنے کا پروگرام" بھی اسکے آخر میں شامل ہے۔ اس کتابی اڈیشن میں ایک مستقل تمہید اور تقریب کا اضافہ بھی کیا گیا ہے اور اس میں ہندوستان و پاکستان کے علاوہ تمام ممالک کے مسلمانوں کو بھی خطاب کیا گیا ہے۔ اس مقالہ کا یہ کتابی اڈیشن بھی کانفرنس ہی کے موقع پر شائع ہوا تھا، اس کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اب اس کا عربی اور انگریزی اڈیشن بھی تیار کرایا جا رہا ہے۔

نیز "لکھنؤ کانفرنس" ہی کے موقع پر "دعوت اصلاح و تبلیغ" کے سلسلہ میں ایک اہم اور قابل ذکر رسالہ اور بھی شائع کیا گیا تھا اس کا عنوان ہے "مسلمان قوم کی حالت اور حاملان دین کا فریضہ" اسمیں خاص خطاب اہل دین، علماء کرام اور مشائخ عظام سے ہے۔ اس کا اکثر حصہ چونکہ ۶۵ھ کے الفرقان کے بعض نمبروں میں شائع ہو چکا ہے اس لئے اس مشترک نمبر میں اسکی اشاعت ہم نے ضروری نہیں سمجھی، ورنہ "دعوت اصلاح و تبلیغ" کے سلسلہ کا یہ بھی نہایت اہم مفید اور مؤثر رسالہ ہے۔

ان صفحات میں کئی دفعہ اعتراف کیا گیا ہے کہ الفرقان کی اشاعتی بدنظمی کا ایک بڑا سبب اس کے مدیر سراپا تقصیر کے خاص حالات ہیں، اور اس لئے عرصہ سے یہ کوشش تھی کہ کوئی اور دوست اس ذمہ داری کو سنبھال لیں یا کم از کم اس بوجھ میں میرے شریک ہو جائیں۔

خدا کا شکر ہے اور ہمارے ناظرین کیلئے بھی شکر اور مسرت کا موقع ہے کہ محترم دوست مولانا عبد السلام صاحب قدوائی نے ادارۂ تعلیمات اسلام کی شدید مصروفیت کے باوجود میری گذارش پر اس ذمہ داری میں بھی شرکت قبول فرمالی ہے، اور اب رسالہ کی ترتیب اور تیاری کا کام انشاء اللہ اس عاجز پر

---

[1] اصلاح و تبلیغ کا کام کرنے والی جماعتیں یہ دونو پمفلٹ اور "اصلاح و تبلیغ کا پروگرام" جو رسالۂ ہذا کے صفحہ ۲۰ سے صفحہ ۳۲ تک درج ہے، محصول ڈاک کیلئے ٹکٹ بھیج کر بلا قیمت طلب کر سکتے ہیں۔

موقوف نہ رہے گا ــــ "الندوہ" دورِ جدید مولٰنا موصوف ہی کی ادارت میں نکلتا تھا اور جبتک وہ جاری رہا ہمیشہ وقت کی پابندی کے ساتھ شائع ہوتا رہا، خدا کرے کہ مولٰنا ممدوح کی خاص توجہات "الفرقان" کو بھی وقت کا پابند کر سکیں۔ ورنہ اپنی طرف سے تو میں اس بارہ میں بالکل مایوس ہو چکا ہوں۔

اس وقت جبکہ یہ سطریں سپردِ قلم کی جارہی ہیں ربیع الثانی کا تیسرا ہفتہ شروع ہے اور صفحہ ۹ سے آخر رسالہ تک کی کتابت تقریباً مکمل ہو چکی ہے اور کاپیاں طباعت کے لئے پریس کے سپرد کی جارہی ہیں، اگر کوئی غیر معمولی رکاوٹ پیش نہ آئی تو یہ رسالہ زیادہ سے زیادہ جمادی الاولیٰ کے شروع ہی میں شائع ہو جانا چاہئے۔

اسکے بعد کے رسالہ (بابت جمادی الاولیٰ) کی ترتیب اور تیاری کا کام بھی شروع ہو گیا ہے اور انشاء اللہ اسی ہفتہ سے اسکی کتابت شروع ہو جائے گی اور اُمید ہے کہ خدا نے چاہا تو وہ جمادی الاولیٰ ہی میں شائع ہو سکے گا۔

پچھلے مہینے ہندوستان میں ایک ایسا المناک حادثہ پیش آیا جسنے نہ صرف اس ملک کو بلکہ سارے عالم کو اندوہگیں اور غمناک کر دیا، کس کو خیال تھا کہ امن و سلامتی کے داعی، صلح و اتحاد کے علمبردار، عفو و درگزر کے مبلغ، شفقت و محبت کے پیامی اور شانتی و اہنسا کے پرچارک کا خاتمہ ریوالور کی گولیوں سے کیا جائے گا اور اس ملک کو سیکڑوں برس کی غلامی سے آزادی دلانے والا سپہ سالار اپنی ہی قوم کے ایک فرد کے ہاتھوں ایسی مظلومی اور بے کسی سے جان دے گا کہ ساری دنیا تڑپ اُٹھے گی۔ گاندھی جی ہندوستان کی قومی تحریک کے رُوحِ رواں تھے، وہ یہاں کی سیاسی اور سماجی تحریکوں سے اس طرح وابستہ تھے کہ پچھلے تیس برس کی تاریخ کا کوئی گوشہ ان کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔ ہندوستان انھیں کی رہنمائی میں سیاسی آزادی کی اس منزل تک پہونچا ہے۔ جس وقت برطانوی شہنشاہی کے سامنے کسی کو مجال دم زدن نہ تھی، بڑے بڑے لائق اور ذی اثر اصحاب کی زبانیں انگریزوں کے سامنے گنگ ہو جاتی تھیں برابری سے کہنے کا کیا ذکر ہے دب کر عرض معروض کی ہمت بھی کسی کو مشکل سے ہوتی تھی، اظہار نیازمندی اور اعلان وفاداری ہی سب سے بڑی سعادت سمجھی جاتی تھی اُس وقت گاندھی جی نے ہندوستانیوں کو

خودداری اور عزت نفس کی تعلیم دی اور آزادی و خود مختاری کا شوق دلایا۔ ۱۹۱۸ء میں ساری دنیا انگریزوں کی قوت کا لوہا مان چکی تھی، بے شمار حربی ذخائر، اعلیٰ درجہ کے جنگی ساز و سامان، حیرت انگیز ایجادات و اختراعات، بے نظیر شجاعت و بسالت اور لاثانی جنگی قیادت کے باوجود جرمن اور ان کے حلیف بُری طرح شکست کھا چکے تھے۔ اسوقت کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ برطانوی شہنشاہی کے مقابلہ میں کسی کو کھڑے ہونے کی ہمت ہو سکتی ہے لیکن دنیا نے تعجب سے دیکھا کہ ایک کمزور و ناتواں ملک کے نہتے باشندے ایک ضعیف و منحنی انسان کی رہنمائی میں آگے بڑھ رہے ہیں ہندوستانیوں کے پاس فوجی قوت نہ تھی لیکن بقول مولانا محمد علی گاندھی جی نے انھیں مرنے کے لئے تیار کر دیا اور یہ سبق پڑھایا کہ مر کر بھی غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ حق مطلوب ہو اور راستبازی اور حقانیت کے ہتھیار استعمال کئے جائیں۔ شروع میں تو یہ بات بہت ہی عجیب معلوم ہوئی لیکن جلد ہی دنیا کو نظر آگیا کہ قوت حق نہیں ہے بلکہ حق قوت ہے۔ صداقت و راستبازی کی راہوں پر چل کر ایک پست و کمزور قوم نے دنیا کی سب سے بڑی طاقت ور اور مدبر قوم کو شکست دی۔

آزادی کے بعد گاندھی جی کی رہنمائی کی اور ضرورت تھی لیکن اس ملک کی انتہائی بدنصیبی ہے کہ ایسے نازک وقت میں اسے ایسے فرزانہ اور جہاندیدہ رہنما کی رہنمائی سے محروم ہونا پڑا۔ اللہ ہی اس کمی کو پورا کرے۔ اس موقع پر اُن مسلمانوں کو ٹوکنا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں جو گاندھی جی سے اظہار عقیدت کے سلسلہ میں اپنی بے اعتدالی اور بے اصولی کے نہایت بھونڈے مظاہرے کر رہے ہیں اور اپنی جہالت و بے راہ روی سے اللہ و رسول کی مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑ رہے ہیں یہ کس قدر حیرت اور عبرت کا مقام ہے کہ ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اب سے صرف ایک سال پہلے ان مسلمانوں کو بھی بے ایمان اور دشمن اسلام کہتے تھے جو گاندھی جی کی واقعی خوبیوں اور عظمتوں کا اعتراف کرتے تھے اور آزادی کی جنگ میں اُنکی رہنمائی پر اعتماد رکھتے تھے۔ فسبحان اللہ مقلب القلوب والابصار۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝

مولانا سید ابو الحسن علی کے مکاتیب گرامی

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۷)

(بنام محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان از مکہ مکرمہ)

مدرسہ فخریہ باب ابراہیم مسجد حرام

محب گرامی جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ایدہ اللہ تعالیٰ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خدا کرے مزاج بعافیت ہو۔ مولانا! اس پورے سفر و قیام حرمین میں آپکا ایک عنایت نامہ آیا، مینے متعدد عریضے لکھے معلوم نہیں آپ تک پہونچے یا نہیں، بعض دوسرے خطوط سے آپکی مشغولیت اور عافیت مزاج معلوم ہوئی۔ ... ... یہاں کی برکتوں کا ٹھکانا نہیں، گویا مسجد حرام ہی میں قیام ہے۔ باب ابراہیم پر ایک بالاخانہ مل گیا ہے جسمیں بیٹھے بیٹھے کعبہ مشرفہ کی زیارت ہوتی رہتی ہے مستورات بالاخانہ ہی پر جماعت کیساتھ نماز پڑھتی ہیں، تکبیر کی آواز آتی ہے۔ طواف جتنے بھی اللہ توفیق دے کر سکتا ہے۔ حجاج میں سے اکثر کے چلے جانے کیوجہ سے حرم میں ہر جگہ گنجائش ہے چاہے حجر اسود سے ملا ہوا نماز پڑھے، چاہے مقام ابراہیم پر چاہے رکن یمانی سے متصل، بعض اوقات نماز میں اپنے اور حجر اسود کے درمیان ایک گز سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا، اسی طرح نوافل خواہ میزاب رحمت کے نیچے، خواہ حطیم میں، خواہ حجر اسمٰعیل میں کسی جگہ پڑھے۔ اس گئی گذری حالت میں بھی اس امت کا اپنے اللہ سے جو تعلق ہے اور اسکے عوام کو جو تعلق ہے وہ کسی قوم کے بڑے بڑے صوفیوں کو نصیب نہیں، اس کا منظر اگر دیکھنا ہو تو ملتزم پر دیکھنا چاہئے، اس سے انتہائی یاس میں بھی آس بندھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ دن اور رات عجیب حالت ہوتی ہے۔ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے والوں سے ملتزم شریف شائد کسی وقت خالی ہوتا ہو، مسلمانوں کیلئے اور اسلام کیلئے بڑی کثرت سے دعا ہوتی ہے اور شائد اس کی مقدار پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے، مجھے یہاں کی حاضری سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے اتنے درد اور مسلمانوں سے اتنے تعلق کا اندازہ نہ تھا۔ اسمیں مصری، فلسطینی، حجازی، مغربی، ترک، سب شریک ہیں۔ البتہ دشمنان اسلام بالخصوص متعصبین مغرب سے بغض میں تمام مسلمان قومیں ہندوستانی مسلمانوں سے فائق ہیں، اسی طرح طبیعت کی سلامتی اور دینی فہم میں بھی بیرونی مسلمان ہمارے ملک کے مسلمانوں سے ممتاز ہیں۔ ہندوستان میں تو ایک ذہنی طاعون کے سے اثرات معلوم ہوتے ہیں، بدیہیات و محسوسات کی بھی سمجھ پوری نہیں معلوم ہوتی، یہاں کئی موقعوں پر ان ناسمجھیوں اور اختلافات سے خاص حرم میں ہم لوگوں کو شرمندگی اٹھانی پڑی، یہاں تک کہ ایک ایسے ہی فضیحت کے موقع پر ایک عرب یہ آیت پڑھتا ہوا اٹھا کہ وما ربک بظلام للعبید (ہندوستان کے موجودہ حالات کی طرف اشارہ تھا) آپ کیلئے اور دوستوں کیلئے طواف کرتا رہتا ہوں یہاں بیٹھے بیٹھے یہی خدمت ممکن ہے، میرا روزانہ کا نظام اوقات یہ ہے کہ صبح حرم سے آکر کھانا کھاتا ہوں کہ ایک وقت کھانے کا یہاں یہی ہے ۳ بجے (یعنی ہندوستان کے تقریباً ۹ بجے صبح) کھانے سے فارغ ہو کر والدہ صاحبہ وغیرہ کو

طواف کرانے لیجاتا ہوں، طواف سے فارغ ہو کر حاجی عبدالوہاب صاحب دہلوی کے مکان پر جاتا ہوں اور ظہر کی اذان تک اُنکے کتب خانہ میں (جو قدیم اور تازہ ترین مطبوعات کا بہترین ذخیرہ ہے) کام کرتا رہتا ہوں، یہاں ابھی وہ دور ہے جو ہندوستان میں بظاہر کم سے کم کچھ مدت کیلئے ختم ہو چکا یعنی ذہنی و علمی دور یہاں کے مخصوص سیاسی حالات کی وجہ سے سوائے علمی و فکری طریقہ کے کوئی اور طریقہ اصلاح و خیالات کی تبدیلی کا نظر نہیں آتا مصر کا کچا پکا ادب اور صالح و فاسد لٹریچر یہاں پوری طرح چھایا ہوا ہے مصر کا وہ ذہنی و تہذیبی رعب ہے جو شائد قرون وسطیٰ میں مسلمانان اندلس کا یورپ کے ملکوں پر رہا ہوگا، اسلئے صالح اور انقلاب آفریں لٹریچر کی بڑی سخت ضرورت ہے اور وہ یہاں ناپید ہے۔ یہاں کے نوجوان عالم و ادیب مصر کے ادب و اسالیب سے مسحور ہیں، اس لئے جیسی بری بھلی ہیں اپنی کتابوں اور مضامین کی اشاعت کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ چھوٹا سا رسالہ جو دہلی سے چھپ کر آیا تھا خاصا مفید ثابت ہوا لیکن ضرورت متنوع رسائل و مطبوعات کی ہے اسی جذبہ کے ماتحت اپنی پرانی تحریروں اور خصوصاً "ماذا خسر العالم[1]" پر نظر ثانی کرنی شروع کی نیا مواد بہت ملا، اس کا اضافہ کر رہا ہوں اور اس کی اشاعت کی فکر ہے لیکن بالکل بے سر و سامان ہوں "زبد الاقلام" جو "یذھب جفاءً" کا مستحق ہے اس کو پھیلا ہوا دیکھ کر اور "ما ینفع الناس" جو "یمکث فی الارض" کا مستحق ہے اس کو سکڑا ہوا اور سمٹا ہوا دیکھ کر دل کڑھتا ہے اور بدن گھلتا ہے مگر کچھ ہوتا نہیں، باب السلام پر ۷۔۸ کتابیوں کی دکانیں ہیں، مصر میں صالح و طالح جو کچھ چھپتا ہے وہ چند ہفتوں میں وہاں نظر آجاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہاشمی و قریشی نوجوانوں میں جو دنیا کے پاسبان تھے پہونچ جاتا ہے اور اپنے زہر انکے دماغوں اور دلوں میں اُتار دیتا ہے، اس کا تریاق موجود نہیں، اور کسی کو اس کی فکر بھی نہیں، یہاں خواص کا طبقہ مغربیت سے متاثر ہے —— البتہ حرم کی برکتیں اور مکہ کی فیصلہ شدہ دینی مرکزیت یہاں دین کی پاسبان ہے، مغربی زبانوں کی تعلیم نیز مصر و یورپ کے تعلیمی سفروں کے ذریعہ یہاں غیر دینی رجحانات آرہے ہیں اور ہندی قوم کا روایتی جمود یہاں محافظ نہیں، پھر تنعم اور دولت کا تو ایسا سیلاب آیا ہے کہ الامان والحفیظ، بایں ہمہ یہاں وہ صلاحیتیں موجود ہیں جو کسی ملک و قوم میں نہیں پائی جاتیں۔ بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی، مضمون کی بے ربطی معاف ہو، ظہر کی نماز پڑھ کر کھانا کھاتا ہوں، یہ دن کا آخری کھانا ہوتا ہے، عصر تک قیلولہ یا کبھی کچھ معمولی سا کام، عصر کی نماز پڑھکر اکثر یہاں کے علماء، مدرسین مدارس و حرم وغیرہ سے ملاقات کا وقت ہے الحمد للہ اس طبقہ میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت عطا فرمائی ہے، اکثر شیخ محمد بن مانع کے یہاں چلا جاتا ہوں جو گویا وزیر تعلیم ہیں اگرچہ منصب کے لحاظ سے مدیر المعارف العام کہلاتے ہیں، نجدی عالم ہیں شیخ آلوسی بغدادی کے شاگرد اور وسیع المطالعہ وسیع النظر اور وسیع القلب آدمی ہیں ہندوستان کے حدیث کے سرمایہ سے خوب واقف، معترف اور روادار عالم ہیں علماء میں سے شیخ علوی مالکی گویا حرمین کے مولانا انور شاہ صاحب ہیں، حفظ و استحضار اور علم مجلسی میں انکی نظیر نہیں، انکی مجلس حدیث و فقہ تصوف تاریخ شعر و ادب کی محفل ہوتی ہے، انکے علاوہ شیخ محمد العربی، شیخ امین الکتبی، شیخ حسن المشاط

---

[1] عربی زبان میں مولانا علی کی یہی تصنیف ہے جس کا اُردو اڈیشن "مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا؟" کے نام سے پہلے شائع ہو چکا ہے۔ اصل عربی کتاب ابھی تک شائع نہیں ہو سکی ہے، خدا کرے جلد شائع ہو سکے۔

وغیرہ کے یہاں جانا ہوتا ہے اور یہ حضرات بھی غریب خانہ پر تشریف لاتے ہیں۔ ہندوستان کی مجمل علمی عقیدت ہے مگر واقفیت نہیں۔ افسوس ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور دوسرے اکابر علماء سے بھی صحیح تعارف نہیں، والد مرحوم کی تصنیفات کی بیحد قدر آئی اور ان کی اشاعت کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی، کوئی دینی کام بغیر کسی بلند تصوّر کے نہیں ہو سکتا۔ اکثر جگہ زمین تیار کرنی پڑتی ہے اور ہندوستان کا تعارف کرانا پڑتا ہے پھر لوگ توجہ سے سنتے ہیں۔

مولٰنا محمد ناظم صاحب کا عنایت نامہ آیا اور اس سے بہت سی کام کی باتیں معلوم ہوئیں، صرف اس کا قلق ہوا کہ انھوں نے اپنے قیمتی خط میں اتنی سادی جگہ نصف صفحہ بھی کیوں چھوڑا کسی اور سے بھروا دیا ہوتا، یہاں تو ہم لوگ سطر سطر کو ترستے ہیں، مولوی عمران خاں صاحب کا یہ جملہ اب سمجھ میں آیا کہ ہندوستان سے تعویذ آتے ہیں، ہم چاہتے ہیں خط آئیں، پھر بھی بہت سے معلومات ہوئے۔ بھائی صاحب مدظلہ کا ہر خط ایک چھوٹا سا اخبار ہوتا ہے کاش سب حضرات ایسے ہی خط لکھتے اور ہر چیز کو یونہی سمجھتے کہ یہ انکے لئے مجہول اور ضرور دلچسپ ہوگی حکیم شرافت حسین صاحب کا بھی خط غالباً ذی الحجہ میں آیا تھا۔ یہ خط سب کا جواب ہے اور سب کی نظر سے گذر جائے ادارہ کے لوگوں میں سے صرف سراج الدین خانصاحب اور مولوی عبد الغفار صاحب کے خط آئے تھے ان دونوں کو بالخصوص اور تمام رفقاء و احباب کو بالعموم سلام پہونچے سب کیلئے دعاگو اور سب کیلئے بارگاہِ الٰہی میں طالب خیر و برکت ہیں۔ ہمارے صوفی عبد الرب صاحب تو بالکل خاموش اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خفا ہیں، خدانخواستہ، اُن کی دعاؤں کی برکتیں اس سفر میں بحمد اللہ خوب محسوس ہوئیں، انکے صد درجہ ممنون ہیں اُنکی طرف سے بھی طواف کی سعادت حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

بھائی صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں حج کے بعد سے تین عریضے لکھے مگر، ۲ رذی الحجہ کے خط سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کے بعد سے ہمارا کوئی خط نہیں پہونچا جس سے پریشانی ہے۔ ... ... یہ خط مولوی اسمٰعیل صاحب غزنوی کے ہاتھ بھیجا جا رہا ہے وہ کراچی یا لاہور سے بھیجیں گے۔ ہماری صحت بحمد اللہ بہت اچھی ہے ابھی تک کسی جگہ کی آب و ہوا اتنی موافق نہیں آئی جتنی مکہ معظمہ کی، معدہ بالکل درست ہے اور کوئی شکایت نہیں، موسم بہت لطیف ہے جیسا ہمارے یہاں مارچ کا ہوتا ہے۔ بارش بھی دوسرے تیسرے ہو جاتی ہے، گرانی کم ہو رہی ہے۔

۳ر دسمبر کا جہاز روانہ ہو چکا، ۲۱ر دسمبر کے جہاز سے روانگی ممکن نہیں معلوم ہوتی۔ اب ۳ر جنوری یا اسکے لگ بھگ کسی تاریخ کے جہاز سے روانگی ممکن ہے بشرطیکہ آپ حضرات کے خط آ جائیں اور حالات سے اطمینان ہو ہمارا پتہ وہی ہے "معرفت مولٰنا محمد سلیم صاحب مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ"

مولٰنا محمد ناظم صاحب۔ شاہ حلیم عطا صاحب۔ اور دیگر اساتذہ کی خدمت میں سلام۔

رفقاءِ تبلیغ کی خدمت میں نام بنام سلام۔

اسلامی انقلاب کی بُنیاد

گزشتہ مہینہ دارالعلوم ندوہ کے طلبہ نے ایک مجلس سیرت منعقد کی تھی اُس موقع پر راقم الحروف نے جو خیالات ظاہر کئے تھے احباب کے اصرار پر انھیں شائع کیا جارہا ہے۔

———— عبدالسلام قدوائی

چھٹی صدی عیسوی کا خیال کیجئے تو ایک عجیب دردناک منظر نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے انسانیت دنیا میں ہر جگہ ختم ہو چکی تھی اور انسان بالکل جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے بلکہ کہیں کہیں جانوروں کی سطح سے بھی نیچے اُتر آئے تھے، کھانا، پینا، سورہنا، یہی ان کا مطمح نظر تھا، نیکی اور بدی کا معیار بدل گیا تھا، شر نے خیر کا درجہ اختیار کر لیا تھا، بُرائیاں اعلیٰ درجہ کی نیکیاں سمجھی جاتی تھیں، بدی پر علی الاعلان فخر و مسرت کا اظہار کیا جاتا تھا، طاقتور کمزوروں کو کھا رہے تھے، زردار، نادار کو اپنا شکار سمجھ رہے تھے، قوت والے، ضعیفوں پر عرصۂ حیات تنگ کئے ہوئے تھے، با اختیار مجبوروں پر دست ستم دراز کر رہے تھے، غرض کہ ہر جگہ جدھر نظر اُٹھتی تھی جنگل کا قانون انسانی آبادیوں میں رائج نظر آتا تھا، ہر طرف حق و صداقت کے بجائے ظلم و ناراستی ہی کا چلن تھا، طاقت خواہ کسی طرح حاصل ہوئی ہو وہی حق سمجھی جاتی تھی، اجتماعی زندگی کی یہ خرابی درحقیقت ان کی انفرادی سیرت کی خرابی کا نتیجہ تھی، عام طور سے آخرت کا تصور ذہنوں سے نکل گیا تھا، یا اس قدر مسخ ہو گیا تھا کہ اس کا مفید اثر عملی زندگی پر نہیں پڑتا تھا۔ خدا کی بادشاہت یا تو دلوں سے اُٹھ چکی تھی، یا شرک کی آمیزش نے اسے بے اثر بنا دیا تھا، ایک زندہ و پائندہ ہمہ داں و ہمہ گیر خدا کی جگہ زندگی کے ہنگاموں سے بے تعلق، کائنات کی سرگرمیوں سے علٰحدہ، ایک گوشہ نشین ہستی کا تصور منتہائے نظر تھا، یا ایک غضب ناک، عدل و انصاف سے دور، بے قاعدہ اور بے اصول قاہر و جابر ذات کا خیال تھا، یا بیچارا راحت و آرام کا عادی، عیش پسند اور عیاش طبیع بادشاہ کا عقیدہ تھا جسے خوش رکھنے کے لئے اور جس کے قہر و غضب سے بچنے کے لئے اسکی تعریف و توصیف کے گیت گائے جاتے رہتے تھے، باقی اس کائنات میں کسی منظم اصول کی کارفرمائی، کسی باقاعدہ نظام کے رواج اور عقل و حکمت اور فکر و تدبیر کی فرماں روائی کا کوئی تصور ذہن میں نہ تھا، ایسا سمجھا جاتا تھا کہ کسی

وقتی جذبہ کے ماتحت یہ کائنات وجود میں آگئی، اور جذبات ہی کی رو میں چل رہی ہے، اس سے زیادہ مذہبی طبقوں میں بھی خدا کا تصور نہ تھا، پھر خدا کو دنیاوی بادشاہوں کے اصول پر وزیروں، مشیروں، حاکموں اور کارکنوں کا محتاج سمجھا جاتا تھا، اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ بغیر بہت سے شریکوں کے خدا اپنی حکومت نہیں چلا سکتا۔

ذہن کی مادیت پسندی نے مظاہر پرستی کے دروازے کھول دئے تھے، جس نے بڑھتے بڑھتے صریح بت پرستی کی شکل اختیار کرلی تھی، اور عملاً بت پرستی ہی خدا پرستی سمجھی جاتی تھی، انسان جو مخلوقات میں سب سے اعلیٰ، سب سے اشرف اور سب سے معزز تھا اب اس کا سر ہر چیز کے سامنے جھکا ہوا تھا، جو کبھی فرشتوں کا مسجود تھا اب ہر شجر و حجر اور مور و ملخ اس سے سجدوں کے طالب تھے، جو سب سے سرفراز تھا اب سب کے آگے سرنگوں تھا۔

عقیدہ کی اس پستی نے ساری زندگی کو پست بنا دیا تھا، نہ عزم میں استحکام تھا نہ ارادہ میں پختگی، نہ طبیعت میں جماؤ تھا، نہ سیرت میں استقلال، نہ اخلاق میں بلندی تھی نہ اعمال میں برتری، حوصلے پست تھے اور ہمتیں شکستہ، یقین کی شمع گل تھی، ایمان کا نور غائب تھا، زندگی کی راہ تاریک تھی، نہ منزل کی خبر تھی نہ نشانِ راہ کا پتہ۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ انسان کی پست خیالی اور پست روی اُسے کس قعر ذلت کی طرف لیجائے گی، اور اس روئے زمین پر انسانیت کا کیا انجام ہوگا، عقلائے عالم خاموش تھے اور خردمندانِ زمانہ ساکت، فلسفی اس عقیدہ کی گرہ کشائی سے عاجز، اور حکمائے روزگار اس پیچیدگی کے حل سے درماندہ، دماغ متحیر، عقل حیران اور فکر پریشان تھی، کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ حالات کی اس رو کو کس طرح روکا جائے اور زندگی کے اس دھارے کو کس طرح موڑا جائے۔

مایوسیاں اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھیں اور یاس نے امید کے لئے کوئی گوشہ باقی نہیں رکھا تھا کہ یکایک غیرت حق کو خود حرکت ہوئی، کائنات کی اس تباہی نے خالق کائنات کی رحمت کو جنبش دی اور سرسبزی و شادابی سے دور، آبادی اور خوشحالی سے الگ، زندگی کی رونق و ہنگاموں سے پرے، ایک ویران اور گم نام گوشہ میں ایک نبی اُمی کا ظہور ہوا جس نے نہ کسی مکتب میں تعلیم حاصل کی، نہ کسی اُستاد کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا، لیکن فیضان الٰہی نے اس کے سینہ کو عقل و حکمت کا گنجینہ بنا دیا، اور اس کے

دماغ کو علم و معرفت کا خزینہ ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

اسکی نگاہ کیمیا اثر نے دلوں کی دنیا بدل دی، اس کی تاثیر صحبت نے مدتوں کے بگڑے ہوؤں کو ایسا سنبھال دیا کہ دوسرے انھیں دیکھ کر سنبھلنے لگے، سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے والے ہر شخص کو یہ معلوم ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے گنتی کے چند برسوں میں ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا جس کی مثال سے تاریخ عاجز ہے۔ دنیا میں کوئی انقلاب اس تیزی سے اور اتنے وسیع رقبے میں رونما نہیں ہوا، بلا مبالغہ یہ تاریخ کا مسلمہ واقعہ ہے کہ عرب کے ریگ زار میں ایک جاہل و وحشی قوم جو ہر قسم کے علم و فن سے ناآشنا تھی، جسے تہذیب تمدن کے ابتدائی آداب سے بھی واقفیت نہ تھی، وہ بہت ہی تھوڑی مدت میں، اتنی تھوڑی مدت میں کہ جس میں چند خاندانوں کی اصلاح بھی دشوار سمجھی جاتی ہے، اتنی بدل گئی اور اس نے ایسی ترقی کر لی کہ دنیا میں ایک وسیع حکومت، ایک عالی شان تہذیب اور ایک زبردست اصلاحی تحریک کی بانی بن گئی ؎

تمدن آفریں خلاق آئین جہاں بانی	وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارہ
غرض میں کیا کہوں تم کو کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے	جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان جہاں آرا

فتوحات کی کثرت اور رقبۂ حکومت کی وسعت کا خیال کیجئے تو سکندر اور ہنی بال کے کارنامے بچوں کا کھیل معلوم ہوتے ہیں، سکندر کی فتوحات کیا ہیں زیادہ سے زیادہ اسلامی مملکت کا ایک چھوٹا سا جز۔ یونان سے شمالی مغربی ہندوستان تک ہی تو سکندری ترک تازی کا کارنامہ ہے لیکن اسلامی فتوحات کا دائرہ بحر ظلمات کے ساحل سے دیوار چین تک اور وسط یورپ سے بحر احمر کے سواحل اور وہاں سے خلیج بنگال بلکہ بحر الکاہل تک پھیلا ہوا ہے، خشکی اور تری ہر جگہ اسلام ہی کا پھریرا لہراتا نظر آتا تھا، یہ تو صرف رقبۂ حکومت کا موازنہ تھا، ورنہ جس احتیاط جس انصاف اور جس رعایت کا لحاظ اسلامی فتوحات میں پیش نظر رہا ہے، سکندر کی ملک گیرانہ سرگرمیوں میں اس کا ذکر ہی فضول ہے۔ ایران سے لیکر ہندوستان تک سکندر کی فوجوں نے بلکہ خود سکندر نے فتوحات میں جس چالبازی کا مظاہرہ کیا، مفتوحین کے ساتھ جو نامناسب برتاؤ کیا، وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔

حیرت ہوتی ہو کہ عرب کے شتربانوں نے دنیا کا اتنا وسیع اور عریض خطہ اتنی قلیل مدت میں عدل و انصاف کی رعایتوں کے ساتھ کیوں کر فتح کیا، اور اتنے مختلف مزاج، مختلف خیالات، مختلف طبائع اور مختلف انداز فکر رکھنے والے لوگوں کو صدیوں تک کس طرح اسلام کے جھنڈے کے نیچے اس طرح مجتمع رکھا کہ صرف جسموں ہی پر نہیں بلکہ ان کی حکمرانی کا سکہ جان و دل پر قائم رہا، پھر اس کے ساتھ جب یہ خیال آتا ہو کہ اتنے وسیع خطہ پر نہ صرف یہ کہ انھوں نے حکومت کی بلکہ ایسی ہمہ گیر اور اتنی عالیشان تہذیب کی بنیاد رکھی، جس سے بہتر تصور آج بھی نہیں کیا جاسکتا تو اور بھی حیرت ہوتی ہی۔ علوم و فنون کی طرف نظر جاتی ہو تو یہاں بھی عربوں کی مجتہدانہ قابلیت کا ظہور نظر آتا ہے، خیال تو کیجئے جس قوم میں حرف شناس بھی مشکل سے پائے جاتے تھے، اس نے نہ صرف علم اخلاق اور تہذیب نفس کے اصول متعین کئے، قرآن و حدیث اور فقہ و تفسیر کے دقیق نقطے حل کئے، فصاحت و بلاغت کے آئین بنائے بلکہ فلسفہ، سائنس، ریاضی، ہیئت، ہندسہ، کیمیا، طب وغیرہ تمام عقلی اور تحقیقاتی علوم کو درجۂ کمال تک پہنچایا، اور ان رموز حکمت تک رسائی حاصل کی، جہاں اس سے پہلے کسی کا پرواز تخیل نہیں پہنچ سکا تھا، سچ کہا ہے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ؎

امّی بود کہ ما از اثر حکمت او
واقف از سرّ نہاں خانۂ تقدیر شدیم

حیرت ہوتی ہو کہ جس قوم نے کبھی مکتب میں بھی قدم نہیں رکھا تھا، اس نے ابوحنیفہؒ و مالکؒ شافعیؒ و احمدؒ جیسے مقنن، ابویوسفؒ، شریحؒ، یحییٰ ابن اکثم جیسے جج، رازی و غزالی، فارابی و کندی، ابن رشد و ابن سینا جیسے فلسفی، خالد و جابر جیسے سائنس داں، بیرونی اور طوسی جیسے ریاضی داں پیدا کئے۔ آثار تمدن کا خیال کیجئے تو دہلی و آگرہ سے دمشق و قرطبہ تک مسلمانوں کے فن تعمیر کے عدیم النظیر نمونے نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور تمدن و تہذیب کے دلفریب اور جاذب نظر نقشے چشم تصور کے سامنے گزر جاتے ہیں، سب سے حیرت کی بات تو یہ ہے کہ یہ ہمہ گیر انقلاب جو زندگی کے ہر گوشہ میں ہوا اور جس سے فکر و خیال، اور اعمال و اطوار پورے طور سے متاثر ہوئے، کوئی وقتی اور عارضی انقلاب نہ تھا جسے حالات کی کسی اتفاقی لہر نے پیدا کر دیا ہو بلکہ یہ ایک ایسا مستقل تغیر تھا جو ایک ہزار برس سے زائد پوری شان و قوت کے ساتھ دنیا میں قائم رہا، اور اب جب کہ اسلامی نظام کا دور زوال سمجھا

جارہا ہے اس وقت بھی اسلام دنیا میں ایک زندہ طاقت ہو جہاں اُسے راکھ کا ایک ڈھیر سمجھا جاتا ہے وہاں بھی اسکی خاکستر افسردہ میں زندگی کے ایسے شرارے پائے جارہے ہیں جنھیں باد موافق کا ایک جھونکا بھی شعلۂ جوالہ بنا سکتا ہے۔

جس طرح یہ انقلاب حیرت انگیز ہو اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ حقیقت ہو کہ یہ سارا تغیر ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہوا جسے کسی قسم کا دنیاوی ساز و سامان حاصل نہ تھا لیکن ہر قسم کی بے سروسامانی کے باوجود اتنا بڑا انقلاب اتنی تھوڑی مدت میں ہو گیا، دنیا کے بڑے بڑے مفکر اس فکر میں حیران اور سرگرداں ہیں کہ اس انقلاب کے اسباب کا پتہ لگائیں لیکن ہر تحقیق کا نتیجہ اسکے سوا اور کوئی نہیں نکلتا اور نہ نکل سکتا ہے کہ ایک انقلاب آفریں شخصیت کے سوا اور کوئی سبب اس عظیم الشان انقلاب کا نہ تھا، جب ہم اس ذات کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو کوئی اُسے شاعر کہتا ہوا سُنائی دیتا ہے، کوئی جادوگر کا خطاب دیتا ہے لیکن اس کے کلام میں نہ کہیں شاعری نظر آتی ہے نہ اس کے اعمال میں کہیں ساحری کا نشان ملتا ہے، ہاں اسکی سیرت کی اثر آفرینی البتہ پوری قوت سے محسوس ہوتی ہو۔ اس کی ذات پر جتنا بھی غور کیا جاتا ہے پاکیزگی اور پاکیزہ نفسی کی ایک دل آویز تصویر نظر آتی ہو۔ اس کی زندگی بے عیب ہے، اس کی سیرت بے داغ ہو، وہ خوش اطواری و خوش اخلاقی کا مجسمہ ہے۔ وہ ہر شخص کا ہمدرد ہے، اس کی ذات پریشاں حالوں کا سہارا غم زدوں کی تسکین، آفت رسیدوں کی پناہ اور مظلوموں کی ملجا و ماوئی ہے، اس کی رگ رگ سے رافت و محبت اور شفقت و ہمدردی کے چشمے اُبلتے ہیں، اس کی زندگی دوسروں کی راحت رسانی میں صرف ہوتی ہے، خود تکلیف اُٹھاتا ہے تاکہ دوسرے آرام پائیں۔ پھر یہ پاکبازانہ اور ہمدردانہ روش ایک دو دن نہیں بلکہ ساری زندگی قائم رہی، بچپن کے ایام ہوں یا جوانی کے دن کبھی بھی اس کے قدم کو لغزش نہیں ہوئی، اس کی زندگی ہمیشہ پاکی و راست بازی کا روشن نمونہ رہی۔

ذاتی سیرت کی یہی دل آویزی تھی جس نے دوسروں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچا، لوگوں نے خیال کیا کہ جس شخص کی ساری زندگی صداقت و راستگوئی کا آئینہ ہے جس نے کبھی کسی حال میں ایک حرف غلط بھی اپنی زبان پر لانا پسند نہیں کیا ناممکن ہے کہ چالیس برس اس طرح گزارنے کے

بعد اتنے بڑے جھوٹ پر کمر باندھ لے، جس شخص کا یہ حال ہو کر خود غرضی کبھی اسکے پاس نہ پھٹکی ہو شخصی مفاد کا کبھی اسے خیال نہ آیا ہو، ذاتی مصالح کی اس نے کبھی پروانہ کی ہو بلکہ ہمیشہ دوسروں ہی کی فکر اور انھیں کی خدمت اس کا مطمح نظر رہا ہو۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ غلط بیانی اور فریب دہی سے کام لے، جو لوگ آپ کے حالات سے جس قدر زیادہ واقف تھے اور جنھیں آپ کے اخلاق و عادات کا جس قدر زیادہ تجربہ تھا وہ اسی قدر جلد اور اسی قدر زیادہ آپ سے متاثر ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ آپ کی بیوی تھیں، ان سے زیادہ آپ کے اندرونی حالات اور نجی کیفیات سے کون واقف ہو سکتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ عمر بھر کے ساتھی اور بہت ہی بے تکلف دوست تھے، خلوت و جلوت کا کون سا واقعہ تھا جو ان کی نظر کے سامنے نہ ہو۔ حضرت علیؓ بچپن سے ساتھ رہ رہے تھے۔ حضرت زیدؓ کو ہر وقت خدمت میں حاضری کا موقع حاصل تھا، ادنیٰ سے ادنیٰ بات بھی ان کے علم میں تھی۔ اگر آپ کی سیرت میں ذرہ برابر بھی کوئی خرابی ہوتی تو ان سے نہیں چھپ سکتی تھی لیکن سب سے پہلے انھیں حضرات نے آپ کی تصدیق کی، اور آپ کی دعوت پر لبیک کہا یہ واقعہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ آپ کی سیرت بے داغ تھی، اور آپ کی ذات خطاؤں اور لغزشوں سے بالکل پاک تھی، آپ کا خلوص، آپ کی صداقت اور آپ کی پاکیزہ نفسی سے یہ حضرات اس درجہ متاثر تھے کہ انھوں نے نہ کوئی دلیل طلب کی نہ کسی معجزہ کے طالب ہوئے نہ کوئی بحث کی بلکہ بے چون و چرا آپ کی بات مان لی اور اپنی دین و دنیا آپ کے حوالہ کر دی، اس واقعہ کو صدیاں گزر گئی ہیں، ہمارے کان اسے سنتے سنتے اس سے اتنے مانوس ہو گئے ہیں کہ ہیں اسپر کوئی اچنبھا نہیں ہوتا لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے اس واقعہ کو اپنے اوپر طاری کر کے غور کیا جائے تو اندازہ ہو کہ بات کتنی اہم تھی، اتنی اہم خبر کم بے رد و قدح مان لینا اور اپنی زندگی میں دفعتہً اتنی بڑی تبدیلی پر رضامند ہو جانا آسان نہ تھا، اگر صاحب دعوت کی بے نفسی، پاکیزگی اور راست بازی کا ناقابل انکار تجربہ نہ ہوتا۔

حضرات! آگے چلئے تو معاملہ اور بھی حیرت انگیز نظر آئیگا، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ چار دل بزرگ بھی دعوت الی الخیر میں شریک ہیں، آہستہ آہستہ ان کی باتیں لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہی ہیں لیکن کسی دنیاوی اثر و اقتدار سے نہیں نہ چرب زبانی اور طلاقت لسانی سے، بلکہ جو متاثر ہو رہا ہے ان کے خلوص، ان کی سچائی، ان کی دیانت داری کی وجہ سے ——— پھر جو لوگ ان سے متاثر ہوئے ان کا

بھی یہی حال ہوگیا، اسلام قبول کرتے ہی زندگی کا رنگ بدل جاتا تھا، دل میں ایک نئی لگن لگ جاتی تھی، ذاتی فوائد اور شخصی مفاد کے بجائے دوسروں کی خدمت زندگی کا مقصد بنجاتی تھی اور اپنے گھر کی فکر کے بجائے خانۂ ملت کی استواری ان کا مطمح نظر ہوجاتا تھا، ناواقف یہ سمجھتے ہیں یا بے سمجھے کہتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت طاقت کی رہین منت ہے لیکن جسے سیرت نبوی اور سیر الصحابہ کے معمولی مطالعہ کی بھی توفیق ملی ہو وہ جانتا ہے کہ یہ خیال بالکل ہی غلط ہے۔ اسلام تلوار کی طاقت سے نہیں پھیلا ہے بلکہ اخلاق کی قوت سے دلوں میں اُترا ہے۔ دور کیوں جایئے اپنے اس ملک کو دیکھئے سات سو برس سے زائد اس ہندوستان میں مسلمانوں کو ایسا حاکمانہ اقتدار حاصل رہا ہے کہ بیک جنبش نگاہ کروروں انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرسکتے تھے لیکن چونکہ انھیں اخلاق فاضلہ کی وہ دولت نصیب نہ تھی جو صحابۂ کرام اور صلحائے اُمت کو میسر تھی، اس لئے ان کی سیرت تاثیر کے جوہر سے محروم رہی، ان کے شوق تسخیر کے آگے پہاڑوں کے پرخچے اُڑ گئے، ان کے سمند ہمت کے سامنے دریا پایاب ہوگئے، پتھروں کے جگر پر انکی حوصلہ مندیوں کی داستانیں ثبت ہیں، میدان رزم ان کی ہمت و شجاعت کے گواہ ہیں اور قصور و ایوان ان کی بزم آرائیوں کے شاہد ہیں، ویرانے ان کے دم سے آباد ہوگئے اور آبادیاں ان کے فیض سے گلزار ہوگئیں لیکن دلوں کی دنیا میں وہ کوئی انقلاب نہ کرسکے اور صدیوں کی فرمانروائی کے باوجود اب بھی اسلام اس ملک میں "غریب الدیار" ہے اور نہ مسلمان عددی فوقیت رکھتے ہیں نہ وصفی لیکن آپکے قریب ہی جزائر و سواحل کا ایک سلسلہ ہے جہاں مسلمان فوجوں کے قدم نہیں پہنچے ہیں لیکن صلحاء کے نقش قدم نے وہاں اسلام کی شاہراہ کھول دی، اور ان کی پُر تاثیر صحبت نے دلوں میں حق کی ایسی تخم ریزی کی کہ اس کی بار آوری پر ایک عالم کو رشک ہے۔

غرض کہ اشاعت اسلام کی پوری تاریخ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ یہاں تلوار کے زور سے کبھی کچھ نہیں ہوا، بلکہ جو کچھ ہوا حق کی قوت سے، بے داغ سیرت کے اثر سے، بے لوث خدمت کے سبب سے ضرورت ہے کہ پونے چودہ سو برس کی تاریخ کا یہ تجربہ ہمارے لئے دلیل راہ بنے۔ اس زمانہ میں اگر یہ حقیقت ہماری نظر کے سامنے رہے تو احساس کمتری اور پست ہمتی کی موجودہ کیفیت میں شاید کوئی کمی ہو اسوقت مسلمانوں کی پریشانی اور زبوں حالی کی خواہ کیسی ہی کیفیت ہو لیکن اسلام کے اولین دور غربت کو اسے کوئی نسبت نہیں، کہاں ساڑھے چار کرور انسانوں کا جم غفیر اور کہاں گنتی کے صرف چار نفوس

اوران کی یہ حالت کہ ایک اجنبی غلام، ایک نو برس کی عمر کا بچہ، ایک پردہ نشین خاتون اور ایک نحیف و لاغر ادھیڑ عمر کا انسان، جن کے پاس نہ دولت و ثروت، نہ ریاست و امارت، پھر بے سروسامانی کے اس عالم میں سارے عالم سے مقابلہ۔ شروع میں سابقہ ایک جاہل، وحشی، اکھڑ اور خونخوار قوم سے جس کے نزدیک آدمی کا قتل چڑیا کے شکار سے بھی زیادہ آسان، اور انسانی خون پانی سے بھی ارزاں، آگے نگاہ اٹھتی ہے تو دنیا کی زبردست حکومتیں، اعلیٰ درجہ کے آلات حرب سے آراستہ، لاکھوں فوجیں لئے چڑھ دوڑنے کو تیار نظر آتی ہیں لیکن وہ ان مشکلات سے ذرا بھی بددل نہ ہوئے بلکہ بے جھجک حق کا پیغام لیکر آگے بڑھے، مخالفانہ قوتوں نے انھیں زیر کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر دیا لیکن جلد ہی دنیا کو نظر آگیا کہ حق سارے عالم پر غالب آسکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے داعیوں کی زندگی خود نورِ حق سے منور ہو اور وہ ایمان و اخلاص کی قوتوں اور حُسن سیرت اور عمل صالح کی صفات سے آراستہ ہو کر زندگی کے میدان میں قدم رکھتیں۔ پہلے بھی کامیابی کی یہی راہ تھی، اب بھی کامیابی کی یہی راہ ہے اور آئندہ بھی کامیابی کی یہی راہ ہوگی، ضرورت ہے کہ مسلمان اس حقیقت کو سمجھیں، اپنے دل میں پھر ایمان کی شمع فروزاں کریں، اسکی روشنی میں ساری زندگی پر نظر ڈالیں، اپنے عادات و اطوار، اپنے اخلاق و آداب، اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنے گفتار و کردار کو اسلام کی انقلاب آفریں تعلیمات کے مطابق درست کریں، اور ایک نئی قوت اور ایک نئے عزم کے ساتھ زندگی کے اس دھارے کو بدلنے کی کوشش کریں، انشاء اللہ نصرت الٰہی اور تائید ربانی قدم قدم پر دستگیری کرے گی، یاس و ناامیدی کی بدلیاں چھٹ جائیں گی، خوف و ہراس کی تاریکیاں کافور ہو جائیں گی، ایمان کا نور، عمل کی راہیں نمایاں کرے گا، نیت کا خلوص مشکلات راہ کو آسان کرے گا، عمل کی پاکیزگی روحوں کو متاثر کرے گی، جمال سیرت دلوں کو اپنی طرف مائل کریگا، حُسن کردار لوگوں کے لئے جذب و کشش کا باعث بنے گا، اور ایک بار پھر دنیا کے اندھیرے میں اُجالا ہو جائے گا، اور آفتاب ہدایت کی ضیا باری سارے عالم کو مطلع انوار بنا دے گی۔

انقلاب کس طرح ہوتا ہے!

از جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب مدرس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥ حامداً و مصلیاً و مسلماً

دنیا انقلابات کی آماجگاہ ہے، پست کو بلند، اور بلند کو پست کرنے کا عمل یہاں خدا معلوم کتنی بار ہو چکا ہے اور معلوم نہیں کتنی بار ہونا باقی ہے، انسان کے لئے یہ چیز کچھ خوشگوار نہیں ہے۔ انقلاب ایک ہیجانی عمل ہے جس سے انسانی زندگی کے سمندر میں سخت تلاطم پیدا ہو جاتا ہے، جو کشتیٔ دل کو گرداب اضطراب میں پھنسا دیتا ہے، کوئی پست ہوتا ہو اور کوئی بلند، مگر دور انقلاب میں دونوں یکساں طور پر اطمینان سے محروم ہو جاتے ہیں، یہ انسان کی فطری خواہش اطمینان کے منافی ہے۔ اس لئے بہت ناخوشگوار ہوتا ہے، اور وہ اس کا اقدام عموماً بدرجہ مجبوری کرتا ہو۔

اکثر حالات میں انقلاب کے لئے صرف وہ فضا سازگار ہوتی ہے جو کسی گروہ یا جماعت کے مزاج کے مخالف ہو یا جسمیں کوئی مخصوص جماعت اس کا احساس کر رہی ہو کہ موجودہ فضا میں اس کا سانس لینا ناممکن ہو اور جب اس کو اپنی اجتماعی زندگی کے ختم ہو جانے کا قوی اندیشہ پیدا ہو جائے ان حالات میں ایسی جماعت اپنی بقا کی فطری خواہش کے مطابق فضا بدلنے کی جد و جہد کرتی ہے اس مقصد میں اگر وہ کامیاب ہوتی ہو تو اس کامیابی کا نام انقلاب رکھا جاتا ہے۔

انقلاب کے محرکات و اسباب کی تفصیل اس مضمون کا مقصود نہیں ہے، بلکہ یہاں طریق و منہاج انقلاب کی توضیح مقصود ہے، یعنی یہ دکھانا ہے کہ دنیا میں انقلابات کس طرح ہوتے ہیں، وہ کون اصول ہے جو عالم کے کل انقلابات میں ہمیشہ کار فرما رہا ہے اور قیامت تک کار فرما رہے گا، اور وہ کون راستہ ہے جس پر چلے بغیر دنیا میں نہ آج تک کوئی انقلاب ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔

یہ مسئلہ بہت ہی اہم ہو اس لئے کہ اس پر اقوام اور اُمم کی زندگی و موت کا مسئلہ موقوف ہوتا ہے

اگر کسی قوم یا اُمت کا مزاج اجتماعی ناسازگار حالات و ماحول سے متصادم ہوتا ہو تو اُسوقت دو صورتوں میں سے ایک کا پیدا ہونا ضروری ہے، یا تو خود مزاج مغلوب ہو کر حالات کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور یا مزاج کی قوت و طاقت خود حالات و فضا کو بدل کر اپنے مطابق بنا لیتی ہے، پہلی صورت قوم کی موت ہے اور دوسری حیات جدیدہ،

ایک مسلمان کے لئے نظام حیات کے متعلق علم و ادراک کا سرچشمہ کتاب سنت ہو اسلئے ہم کو اس قانون انقلاب کی تلاش بھی وہیں کرنا چاہیئے اور ہماری خوش بختی ہو کہ اس مسئلہ میں کتاب و سنت ہماری رہنمائی فرما رہی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اسوقت تک نہیں بدلتا جبتک کہ وہ اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

ہر تغیر و قوت محض اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

حالات کا بدل دینا، فضا میں انقلاب پیدا کر دینا، سازگار کو ناسازگار بنا دینا، یا ناسازگار کو سازگار بنانا محض اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہو، انسان اس معاملہ میں عاجز و درماندہ ہے مگر جس طرح عالم کے بہت سے دوسرے معاملات میں اکتساب اسباب انسانی اختیار میں ہے اور نتائج محض قضاء الٰہی پر موقوف ہیں اسی طرح اس معاملہ میں بھی اسباب انقلاب کا مہیا کرنا، ان کو اختیار کرنا اور ان سے کام لینا انسان کے اختیار میں ہو اور نتیجہ یعنی انقلاب کا وجود حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اس لئے حق تعالیٰ نے اس چیز کو بیان فرمایا ہے جس کو اختیار کر کے انسان حق تعالیٰ کی بارگاہ سے انقلاب کی توقع کر سکتا ہے اور سنت اللہ ہے کہ اس صورت میں حق تعالیٰ حالات میں انقلاب فرما دیتے ہیں اور انسان کی یہ مراد پوری ہو جاتی ہے۔

قانون یہ ہو کہ انقلابی قوت کا سرچشمہ کہیں باہر نہیں ہے بلکہ خود انسان میں موجود ہو۔ خارج میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ خود اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کیا جائے، جبتک انسان خود اپنی زندگی میں انقلاب نہیں پیدا کرتا ہے، اُس وقت تک فضا میں کوئی انقلاب نہیں پیدا کر سکتا۔ اگر کوئی جماعت اور قوم یہ چاہے کہ اسکی زندگی جوں کی توں رہے اور ایس میں

کوئی تغیر و تبدیلی نہ ہو لیکن گرد و پیش کی فضا بدل جائے اور ناساز گار حالات ساز گار ہو جائیں تو ایں خیالست و محالست و جنوں، ایسی قوم کبھی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتی اور اس کا یہ خیال اس کی علامت ہوگا کہ وہ عقل و خرد کے اعتبار سے بالکل دیوالیہ ہو چکی ہے اور سفاہت و حماقت کی آخری منزل پر پہونچ چکی ہے، ایسی قوم کے متعلق قطعی فیصلہ کر لیجئے کہ فضا کے انقلابی عمل کے ماتحت اس کا ماحول میں جذب ہو کر فنا ہو جانا ازل سے مقدر ہو چکا ہے۔

کسی قوم کے مزاج اجتماعی اور حالات میں کشمکش کا نتیجہ اسی کلی قانون کے تابع ہوتا ہے جو ہر قسم کے تنازع پر حاوی ہے۔ یعنی اگر یہ مزاج قوی اور طاقتور ہے تو وہ اپنی طاقت و قوت سے ان حالات کو فنا کر کے ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے جو اس سے مطابقت رکھتے ہیں، ورنہ وہ خود حالات سے مغلوب ہو کر فنا ہو جاتا ہے، یہ مزاج اجتماعی پوری قوم کے مستقل وجود اور اسکی بقا کا ضامن بلکہ اسکی روح ہوتا ہے اس لئے اس کے فنا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قوم متصادم قوم میں جذب ہو کر یا اس سے مغلوب ہو کر فنا ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی مستقل وجود باقی نہیں رہتا۔

تجزیہ سے یہ چیز اور بھی سہولت کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہے۔ غور کیجئے کہ مزاج اجتماعی کس چیز کا نام ہے؟ کل افراد یا کم از کم اکثر و اغلب افراد کی زندگی کا جو ایک خاص نہج اور طرز ہوتا ہے اس کا نام مزاج اجتماعی ہے۔ مختلف اقوام میں فکر و نظر، امثال و عواطف اور جذبات و احساسات وغیرہ کا ایک جداگانہ ڈھنگ اور جداگانہ طریقہ ہوتا ہے جو اسکی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں اور بمنزلہ روح ساری ہوتا ہے، اس چیز کی وجہ سے وہ قوم دوسری اقوام سے ممتاز ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے وہ قوم مستقل قوم بنتی ہے اسی کو اس کا مزاج اجتماعی کہتے ہیں اور اس میں تبدیلی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ قوم اپنی پوری زندگی میں تبدیلی پیدا کرے۔

انقلابات اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، اور یہ سب انقلابی جماعت کے انقلاب حیات پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر زندگی میں کوئی اچھا تغیر پیدا ہوا ہے تو انقلاب کا نتیجہ بھی اچھا ہوگا، ورنہ وہ بھی برا ہوگا۔ شر سے شر پیدا ہوتا ہے اور خیر سے خیر، ہر شے اپنی مناسب شے کو پیدا کرتی ہے نہ کہ اپنی ضد کو۔ "گندم از گندم بروید جو ز جو"۔

آیئے انقلابات عالم پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لیں جس سے اس قانون کی مزید وضاحت

ہوسکتی ہے، انقلابات عالم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کی تعداد بہت ہے مگر وہ سب ان تین قسموں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتے ہیں

الف، شر سے شر کی طرف، ب، خیر سے شر کی طرف، ج، شر سے خیر کی طرف ان تینوں قسم کے انقلابات پر ہم اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔

پہلی قسم کی مثال میں ہم بہت سے انقلابات کو پیش کر سکتے ہیں لیکن ایک قریبی مثال کافی ہے۔ روس کا انقلاب وہ انقلاب ہے جس میں ایک باطل دوسرے باطل سے ٹکرایا تھا، اور ایک شر دوسرے شر سے بدل گیا یعنی نظام سرمایہ داری نظام اشتراکیت میں تبدیل ہوگیا، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ تبدیلی کیونکر وجود میں آئی، اس انقلاب کا بیج مارکس نے لگایا اور پھل لینن نے کھایا، مارکس کون تھا اور کیا ہوگیا؟ دنیا کی سب سے زیادہ سرمایہ پرست قوم سے تعلق رکھنے والا ایک فرد، سرمائے کے متعلق ایک نیا تصور اپنے ذہن میں قائم کرتا ہے جو اس کے آبا و اجداد کے تصور کی بالکل ضد ہے۔ یہی نہیں بلکہ اپنی اس قوم کے مذہبی رجحان کے بھی خلاف ہے، جس نے اپنے غلو کی بنا پر مذہب کو نسل کے ساتھ مخلوط کر دیا تھا۔ اس قوم کا یہ فرزند مذہب کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے اور اپنے آبا بلکہ دنیا کے طرز کے خلاف اپنی زندگی کو ایک نئے سانچے میں ڈھالتا ہے اور تقریر و تحریر سے لوگوں کو اشتراکیت کے منافع سمجھاتا ہے مگر باوجود اس کے اپنی زندگی میں اپنی دعوت کے نتائج دیکھنے سے محروم رہتا ہے اس لئے کہ قانون انقلاب کا ظہور اسوقت تک نہیں ہوسکتا تھا، یہ شرط لینن کے زمانہ میں پوری ہوئی یعنی ایک بڑی جماعت ایسی پیدا ہوگئی جس نے اپنے افکار و اعمال، اخلاق و معاشرت میں مختصر یہ کہ اپنی پوری زندگی میں ایک خاص انقلاب پیدا کر لیا تھا اور اپنی حیات کو ایک خاص سانچے میں ڈھال لیا تھا، جب یہ ہوگیا تو دنیا نے زار کی جگہ لینن کو جلد ہی دیکھ لیا۔

آج کے جدید اور معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ یورپ کو دیکھنے والے ذرا اس پر غور کریں کہ یہ انقلاب اس میں کس طرح پیدا ہوا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ دقیانوسی ہل بنانے والی تنگ و تاریک دوکان کو ہوائی جہاز کے کارخانہ سے اور نوابی کے فرسودہ طریق کو جمہوریت سے بدلنے سے پہلے یورپ نے اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کیا تھا گلیلیو کا بار احسان یورپ کی گردن پر ہے مگر لوتھر کا احسان اس سے زائد ہے ـــــ سیاسی و معاشی انقلاب سے پہلے یورپ نے تہذیبی، ثقافتی،

معاشرتی، فکری، اخلاقی ہر شعبۂ زندگی کے اندر تبدیلی پیدا کر لی تھی، اگر وہ انقلاب نہ ہوتا تو یہ انقلاب قیامت تک ظہور پذیر نہیں ہو سکتا تھا، مغربی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ یورپ نے سب سے پہلے یورپ کے اقوال کو چھوڑ کر اپنی عقل و فہم کو مشعل راہ بنایا اور آزاد فکر پیدا کر کے اپنے رُخ کو کلیسا کی طرف سے کائنات اور اسکی طاقتوں اور دولتوں کی طرف پھیرا، اخلاق و عادات کی نئی قدریں مقرر کیں اور ان میں جدید معیاروں کے مطابق ان کو ڈھالا، غرض زندگی بدلی تو اس کے بعد باہر کی دنیا بدلی، انقلاب زندگی سے پہلے خارجی دنیا میں نہ کوئی تغیر ہوا نہ ہو سکتا تھا۔

خیر سے شر کی طرف!

تاریخ کے بہت سے ابواب کی سیاہی ان اقوام کی بدبختی کی نشانی بن گئی ہے جنھوں نے خیر کو چھوڑ کر شر کو اختیار کیا، اور آب حیات سے منھ موڑ کر زہر آب کو حلق سے اُتارا، مثالیں بکثرت ہیں مگر بنو اسرائیل کے حالات استشہاد کے لئے کافی ہیں، اللہ تعالیٰ کی یہ محبوب قوم ایمان و عمل صالح کے ثمرات عاجلہ حاصل کر رہی تھی، دنیا کی دولتیں قدم چوم رہی تھیں اور سلطنت و حکومت کا تاج زیب سر تھا مگر کتب آسمانیہ بتاتی ہیں کہ انھوں نے اپنی زندگی بدلی، کتاب الٰہی کو چھوڑ کر شیطانی تعلیمات کو اپنے لئے دلیل راہ بنایا، دینی زندگی کو گورستان نسیاں میں دفن کر کے دنیاوی زندگی سے اپنے گھروں کو آباد کیا، اندر انقلاب ہوتا تھا کہ باہر بھی انقلاب ہو گیا، حکومت و سلطنت، طاقت و جبروت کا قصر فلک بوس زمیں بوس ہو گیا، تخت سلطنت کے بجائے تختۂ دار پر مقام ہوا، اور ذلت و ادبار کی طوفانی ژالہ باری نے تکبر و تمرد سے بھرے ہوئے دماغوں کو پاش پاش کر دیا۔

شر سے خیر کی طرف!

اس قسم کے انقلابات درحقیقت وہ انقلابات ہیں جنکی طرف ہم کو نظر کرنی چاہیئے، اس لئے کہ ہم بھی شر کو دور کر کے اسکی جگہ خیر پھیلانا چاہتے ہیں، اس بارے میں ہمیں انبیاء کے طرز عمل کو دیکھنا ہے، کیونکہ انھیں کی اتباع ہماری ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل مقصود سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

قرآن و حدیث نیز تاریخ سے ظاہر ہو کہ انبیاء کرام کا متفقہ طرز عمل اس بارے میں یہی رہا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے اندرونی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور خارجی حالات میں انقلاب سے پہلے خود زندگی میں انقلاب پیدا کیا ہو۔ انبیاء کا طرز اس بارے میں بہت صاف اور واضح بھی ہو اور

مستقل اور سخت بھی، اس اصول پر عمل کرنے میں انھوں نے اس قدر شدت برتی ہے کہ ایک عرصہ تک خارجی حالات و مسائل کو قوم کے سامنے لانے سے بھی احتراز کیا ہے۔

اس سلسلہ میں تاریخ کے سب سے بڑے انقلاب خیر کو مثال کے طور پر سامنے رکھنا کافی ہے۔
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ربانی انوار سے عالم کی تہ بہ تہ تاریکیوں کو دور کرنا چاہا تو نوع انسانی آخرت کی بربادی کے ساتھ ساتھ دنیا کی بربادی میں بھی مبتلا تھی، سیاسی و معاشی حالات انتہائی تکلیف دہ تھے، جمہور شخصیتوں سے پامال تھے اور مزدور سرمایہ داروں سے، دہقان زمیندار کا مقہور تھا، اور رعایا راعی سے مجبور و معذور، خود عرب کی سیاست قبائلیت کے دشمن امن، اور غیر قانونی طریقہ تک محدود تھی، وطنی اور نسلی تعصبات کی نمیت دلوں اور دماغوں کو ماؤف کئے ہوئے تھی، افلاس و غربت کا مار سیاہ دنیا کی اکثریت کا طوق گلو بنا ہوا تھا، ان حالات میں مکہ کے پاک و مطہر مطلع سے آفتاب ہدایت نے طلوع کیا۔

ہادی دو عالم کی ابتدائی زندگی دیکھو! ان میں ان سیاسی حالات و مسائل کا کہیں تذکرہ بھی نہیں ہے، بظاہر بہت آسان راستہ یہ تھا کہ حضور والا دنیا کے سیاسی و معاشی حالات کی تبدیلی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے اور ان میں انقلاب پیدا کرتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ ان سیاسی و معاشی اور معاشرتی حالات سے بنی نوع انسان کی دنیا سے زائد آخرت برباد ہو رہی تھی، اور یہ حالات دین دارانہ زندگی اختیار کرنے اور اسکی تبلیغ و اشاعت میں سخت مزاحم تھے، اگر یہ حالات بدل جاتے تو بظاہر دین حق کی تبلیغ میں اتنی رکاوٹیں نہ پیش آتیں، مگر باوجود ان سب باتوں کے ہادی عالم نے اپنی تبلیغ کی ابتدا اس سے نہیں کی بلکہ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دنیا کو اپنی اندرونی زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کی دعوت دی اور اپنی پوری کوشش اس مقصود کے لئے لگا دی، کتاب مبین نے صاف طور پر بتا دیا۔

كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اپنے ہاتھوں کو روکو اور نماز قائم کرو۔

یہ حکم ان مظلوم مسلمانوں کو دیا گیا تھا جن پر دن رات مصائب و تکالیف کے پہاڑ توڑے جاتے تھے اور جن کے لئے زندگی موت سے زیادہ مشکل ہو گئی تھی، جب ایک جماعت کی زندگی بدل گئی تو دنیا نے دیکھ لیا کہ عالم کے آہنی حالات ان کے ہاتھوں میں موم ہو گئے اور انھوں نے

آن کی آن میں انکی شکل اپنے مزاج کے مطابق بنالی۔

قرآن کریم کی ہدایت کے بعد کسی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس قرآنی اصول کی وضاحت اور شرح کے لئے تاریخی شہادت بھی پیش کردی گئی، نمونہ کے طور پر چند واقعات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے، ورنہ انقلابات عالم کا پورا سلسلہ اس اصول کی صداقت و ہمہ گیری کا اعتراف زبان حال سے کر رہا ہے، ان انقلاب کی نوعیتں مختلف ہیں لیکن ہر انقلاب میں یہ کلیہ یکساں طور پر قائم ہے کہ جب تک جماعت کی زندگی میں انقلاب پیدا نہیں ہوتا اُس وقت تک اس کے خارجی حالات بھی نہیں بدل سکتے اور وہ باہر بھی کوئی انقلاب نہیں پیدا کر سکتی۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہو کہ کئی صدی سے مسلمانان عالم مسلسل رو بزوال ہیں، اور زمانہ کے حالات ان کے مزاج اجتماعی اور حیات ملّی کے ناموافق ہیں، اس عرصہ میں عالم کون و فساد انقلابات و تغیرات کی آماجگاہ بنا رہا ہے لیکن عجیب بات ہو کہ کوئی انقلاب بھی ایسی فضا نہیں پیدا کر سکا جس میں مسلمان بحیثیت مسلمان صحت بخش سانس لے سکتا۔

ناسپاسی ہو گی اگر ان مساعی کی داد نہ دی جائے جو حالات زمانہ کو مسلمان کے موافق بنانے میں ہمارے گزشتہ اور موجودہ ارباب فکر و زعماء نے انجام دی ہیں، الکشن، جلسے، جلوس، کالج، مدارس انجمنیں اور اسیطرح کی بیسیوں تدبیریں سیکڑوں بار کی گئیں اور کیجارہی ہیں لیکن افسوس ہو کہ یہ مفکرین و قائدین بھی مجموعی حیثیت سے اپنی ناکامی کے معترف ہیں کہ جو ہونا چاہیئے تھا وہ نہ ہوا، باوجود کثرت علاج مریض کی حالت روز بروز گرتی ہی رہی اور آج وہ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہے۔

اس ناکامی کی وجہ کیا ہوئی؟ اوپر کی سطروں کو ملاحظہ فرمایئے تو یہ سوال حل ہو جائیگا، ہمارے حکمائے امت پہلے بھی یہی کہتے رہے اور آج بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ حالات بدلنے کی کوشش بالکل عبث اور بیکار ہو جب تک مسلمان کی زندگی میں انقلاب نہ پیدا ہو، اور اسکی غیر دینی اور غیر اسلامی زندگی نہ بدل جائے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہو اور ساری مخلوق مل کر بھی اس قانون کو نہیں توڑ سکتی، قانون صاف اور واضح ہو، پھر دیکھئے اور سوچیے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

حالات زندگی عکس ہوتے ہیں، یہ خود بخود نہیں پیدا ہوتے بلکہ انسانی خیالات ان کو پیدا کرتے ہیں اگر ہماری زندگی دینی ہے تو حالات ہمارے دینی مزاج کے مطابق پیدا ہوں گے، اور اگر خود ہماری زندگی

غیر دینی ہی تو اس سے حالات بھی ویسے ہی پیدا ہوں گے جو ہماری حیات دینی کیلئے زہر کا کام دیں گے معاملہ قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہی قوت و ضعف سے متعلق ہی، دینی زندگی میں بے پناہ طاقت ہی، قوت ہی، اعجاز ہے۔ بشرطیکہ وہ خارج میں موجود ہو اور عملی صورت میں ظاہر ہو، ورنہ ابر کے حجاب میں پوشیدہ ہو کر آفتاب بھی زمین کو روشنی پہنچانے سے قاصر رہتا ہے۔

عالم اسلام کے مفکرین سے گزارش ہے کہ آپ نے تجربات پر تجربات کئے اور تدبیروں پر تدبیریں کیں مگر کیا مسلمانوں کے مرض میں ذرہ برابر بھی کمی ہوئی؟ آج یہ مریض عالم نزع میں ہی اور مزید تجربات کی برداشت سے قاصر، خدارا اب مزید تجربات کی مصیبت میں اسے مبتلا نہ کیجئے اور زیادہ سے زیادہ پانچ سال کے لئے حقیقی علاج کی طرف مائل ہو جائیے، جیسی جانگسل مساعی آپ نے اپنی تدابیر کے لئے کی ہیں، ویسی ہی مساعی اس حقیقی تدبیر یعنی مسلمان میں دینی زندگی کے عموم کے لئے کیجئے، پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے، یرقان کا مریض در و دیوار کو زرد دیکھتا ہی۔ اس کا یہ علاج نہیں ہے کہ در و دیوار کو کھرچا جائے یا ان پر چونا پھیر دیا جائے، اصل علاج یہ ہے کہ مریض کے مزاج کی اصلاح کی جائے، اجتماعی ترقی کی جو سیاسی و معاشی اور اسی طرح کی غیر دینی ظاہری تدبیریں کی گئیں، وہ دیوار کھرچنے کے مرادف ہیں، حقیقی تدبیر یہ ہی کہ مسلمان کی زندگی میں انقلاب پیدا کیا جائے اور اس کو دینی بنایا جائے۔ جب مسلمان قوم میں دینی زندگی کا عموم ہوگا تو اس کی مزاجی قوت خود بخود حالات کو اپنے سانچے میں ڈھال لے گی۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ — نہ سست ہو نہ رنجیدہ تم ہی سر بلند ہوگے

الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ — اگر تم پختہ مومن بن جاؤ۔

کا ظہور ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہو کر رہیں گے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ اگر مسلمانوں کی زندگی نہ بدلی تو قسم ہے مقلب اللیل والنہار کی کہ ساری تدبیریں رائیگاں بلکہ مضرت رساں ثابت ہوں گی اور آہنی قلعے بھی مسلمانوں کو تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکیں گے۔

مسلمانوں کی کمزوری کے بنیادی اسباب اور قرآن مجید کا طریقِ علاج

گزشتہ سے پیوستہ

بہرحال اگر قرآن مجید پر ہمارا ایمان ہے اور اسلامی تاریخ سے ہم بے خبر نہیں ہیں تو اس حقیقت میں ہم کو کوئی شک نہ ہونا چاہیئے کہ کسی قوم اور جماعت میں اگر ایمان والی زندگی اور ایمانی اوصاف موجود ہوں تو اپنی تعداد کی کمی اور اسباب وسائل میں کمزوری کے باوجود اس دنیا کی مشکلوں اور مصیبتوں سے بھی وہ نجات پاسکتی ہے اور باعزت زندگی اور اقتدار کا مقام بھی اس کو حاصل ہوسکتا ہے بلکہ حاصل ہونا ضروری اور یقینی ہے۔ یہ اللہ کا اٹل وعدہ اور اس کا کبھی نہ بدلنے والا قانون ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۝

اب دورِ حاضر کے مسلمان سوچیں اور فیصلہ کریں

کہ اس وقت مسلمانوں کے لئے جو مشکلیں اور مصیبتیں درپیش ہیں اور مدت دراز سے جو ذلت و پستی اُن پر چھائی ہوئی ہے اور دوسری زبردست قوموں اور بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں جو کمزوری اور بیچارگی تمام دنیا کے مسلمان محسوس کر رہے ہیں اُس کے علاج کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ دنیا کی دوسری قوموں کی طرح صرف سیاسی تدبیروں اور مادی کوششوں سے اس صورت حال کو بدلنے کی جد وجہد کی جائے۔

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ یہ بھی ایک طریقہ ہے اور واقعہ ہے کہ آج ساری دنیا اس طریقہ پر چل رہی ہے اور مختلف ملکوں کے مسلمان بھی صدیوں سے اسی راہ پر گامزن ہیں۔

لیکن غالباً آپ کو بھی اس میں شبہ نہ ہوگا کہ سیاسی تدبیروں اور مادی کوششوں کے اس راستہ سے پوری کامیابی صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ آپ کی تدبیریں اور آپ کی کوششیں نہ صرف یہ کہ صحیح رُخ پر ہوں بلکہ مخالف تدبیروں اور کوششوں سے زیادہ مؤثر اور طاقتور ہوں۔ جنھوں نے اس قسم کے مسائل پر

غور کیا ہو وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عام تکوینی قانون بڑا بے لاگ اور انتہائی غیر جانبدار ہے اور خالص اسبابی اور مادی معرکوں میں کامیابی اور بالاتری صرف اسی فریق کو حاصل ہو سکتی ہو جس کی طاقت اور جس کا وزن زیادہ ہو اور جس کی تدبیر اعلیٰ ہو۔

پس اگر آپ اسی راستہ پر چل کر صرف سیاسی تدبیروں اور اسبابی کوششوں کے ذریعہ دنیا کے اس میدان میں کامیابی اور بالاتری حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا امکان جب ہی ہو کہ آپ کی تدبیر اور آپ کی طاقت دنیا کی ان دوسری طاقتوں سے بالاتر ہو جن سے آپ کا سابقہ ہے ——— اور ظاہر ہے کہ موجودہ حالات میں اس کی امید دور تک نہیں کیجا سکتی۔ علاوہ ازیں اگر ہماری موجودہ مصیبتیں اور ذلتیں اور ہمارا یہ ضعف و زوال، ہماری بداعمالی اور نافرمانی کی سزا ہو، جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے جو ذکر کیجا چکی ہیں تو ظاہر ہو کہ ہماری تدبیریں اور کوششیں اگر بالفرض انتہائی درجہ کی بھی ہوں گی تب بھی ناکام ہی رہیں گی تاوقتیکہ توبہ و انابت اور اصلاح سیرت کے ذریعہ ہم اللہ کے قہر و غضب سے نجات حاصل نہ کر لیں اور اللہ کی رحمت و نصرت کے مستحق نہ ہو جائیں ۔ الغرض اس دنیا میں بھی تباہیوں اور بربادیوں سے بچنے اور ذلتوں اور مصیبتوں سے نجات پانے اور عزت و بالاتری کا مقام حاصل کرنے کے لئے ہم مسلمانوں کے سامنے ایک راستہ تو صرف سیاسی تدابیر اور مادی کوششوں کا ہو جس میں بظاہر دور تک کامیابی کا کوئی خاص امکان نظر نہیں آرہا ہو اور آفتاب امید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دے رہی ہو اور مختلف ممالک کے مسلمان مدتوں سے اس راستہ پر تگ و دو کرنے کے باوجود اقوام عالم میں کوئی نمایاں اور ممتاز مقام آج تک حاصل نہیں کر سکے ہیں بلکہ اگر آپ مسلمانوں کے ضعف و زوال کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ جب سے انھوں نے اپنا اصلی راستہ چھوڑ کر دنیا کی خدا ناشناس قوموں کی تقلید میں یہ خالص مادہ پرستانہ طریقہ اختیار ہے اس وقت سے انھوں نے کھویا ہی کھویا ہے، پایا کچھ بھی نہیں ہے۔ اگرچہ اپنی کم نظری سے وہ سمجھتے ہوں کہ انھوں نے کچھ پایا بھی ہے۔

دوسرا طریقہ ہمارے سامنے انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین کا ہے جو قرآن مجید کی آیات بینات اور انبیاء علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ سے معلوم ہوتا ہو، وہ یہ ہے کہ ہم صرف سیاسی تدبیروں اور مادی کوششوں ہی کو فیصلہ کن چیز نہ سمجھیں بلکہ یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی مشیت ہی اصل

فیصلہ کن چیز ہے اور ایمانی زندگی والی قوم اور ایمانی اوصاف رکھنے والی جماعت کی نصرت و مدد کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔ لہذا قوم میں اس ایمانی زندگی کو پیدا کرنے اور پھیلانے کی پوری جد وجہد کریں اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور انبیاء علیہم السلام کی ہدایت و تعلیم کے مطابق اسی کو اصل مقصد اور نصب العین بنائیں اور پھر اسی نصب العین کے ماتحت اور اُس کے تقاضوں کے مطابق مشکلات مصائب سے نجات اور قوت وطاقت حاصل کرنے کے لئے اپنے امکان بھر سیاسی تدبیریں اور کوششیں بھی کریں اور ان تدبیروں اور کوششوں میں بھی کوئی دقیقہ اپنی طرف سے اُٹھا نہ رکھیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد رکھیں کہ ان کوششوں کو وہ اپنی خاص مدد سے کامیابی تک پہنچائے گا۔ یہ دوسرا طریقہ ہے اور اس میں کامیابی اور فتحیابی کا دار و مدار صرف تدبیروں اور کوششوں پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس راستہ پر چلنے والوں کی تدبیریں اگر کچھ کمزور بھی ہوں اور دشمنوں کے مقابلہ میں انکی تعداد کم اور ان کے وسائل ناقص بھی ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت و مدد سے وہ کامیاب اور فتحیاب ہو جاتے ہیں۔

پس دورِ حاضر کے مسلمانوں کے سامنے یہ دونوں راستے کُھلے ہوئے ہیں، پہلا راستہ خدا ناشناسوں اور مادہ پرستوں کا ہے اور دوسرا انبیاء علیہم السلام کا اور اُن کے پیروؤں کا ہے ــــــ پہلے پر چل کر کامیابی جب ہی حاصل ہوسکتی ہے جب کہ ہماری تدبیریں اور ہماری کوششیں اور ہمارے وسائل، دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے زیادہ ہوں جس کا بظاہر دور تک امکان نہیں، اور دوسرے راستہ پر چلنے کی صورت میں تدبیروں اور کوششوں میں بہ نسبت دوسروں کے اگر کچھ کمی بھی رہے تب بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مدد سے کامیابی کا حصول انشاء اللہ یقینی ہے بشرطیکہ قوم ایمانی زندگی اور ایمانی اوصاف کی حامل ہو۔

اور سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ پہلے راستہ پر چل کر اگر بالفرض کچھ کامیابی بھی ہوئی تو وہ قوم کو صرف اس دنیا ہی کی کچھ مصیبتوں اور مشکلوں سے چند روز کے لئے نجات دلادے گی، مگر آخرت کا معاملہ اپنی جگہ رہے گا، بلکہ اس راستہ پر چل کر شاید ہم اور زیادہ اللہ کے غضب اور اس کی گرفت کے مستحق ہو جائینگے کہ کیوں ہم نے مغضوبین و ضالین کا راستہ اختیار کیا۔

لیکن دوسرے راستہ پر چل کر دنیا میں کامیابی حاصل ہونے سے بھی پہلے ہم اللہ کی رضا کے مستحق

اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں جنت کی لازوال نعمتوں کے حقدار ہو جائیں گے جن میں سے کسی ایک نعمت کی قیمت بھی یہ پوری دنیا نہیں ہو سکتی، کاش ہم دنیا و آخرت اور اللہ کی رضا اور اس کے غضب اور جنت و دوزخ کی حقیقت کو جان لیتے۔

ہماری دعوت

پس تمام دنیا کے مسلمانوں کو ہماری دعوت انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین والے اس دوسرے ہی راستہ کی طرف ہے جس پر چلنے والوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح موعود اور مقدر ہے اور جو صالح انقلاب کا سب سے مختصر اور سیدھا راستہ ہے۔

راستہ کے طویل اور مشکل ہونے کا شبہ | شاید بعض حضرات کے دل میں یہ خلجان ہو کہ یہ راستہ تو بڑا لمبا اور مشکل ہے اور مسلمان قوم کی عمومی دینی اصلاح کا کام تو دس بیس سال میں بھی انجام نہ پا سکے گا، سو ایسے حضرات کو جذبات و خواہشات سے الگ ہو کر پہلے تو یہ سوچنا چاہیئے کہ کیا ان کے سامنے کوئی اور ایسا راستہ ہے جو نہ تو مشکل اور نہ لمبا ہو اور اس کے ذریعہ مسلمان قوم کا فلاح کی منزل تک پہنچ جانا بھی یقینی ہو۔ اگر آپ سنجیدگی سے غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ کوئی راستہ بھی ایسا نہیں ہے۔

انسان کی یہ عام اور پرانی کمزوری ہے کہ کسی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جو راستہ وہ خود پسند کرتا ہے اور جس پر چلنے کے لئے خود اس کا دل اور اس کا نفس چاہتا ہے اسکی لمبائی اور اس کا مشکل ہونا اور اس کا غیر یقینی ہونا سب کچھ اسکی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور جو راستہ خود اسکے نفس کا پسندیدہ نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا سیدھا اور کیسا ہی یقینی ہو وہ اس کو لمبا اور مشکل ہی نظر آیا کرتا ہے، ورنہ یہ واقعہ ہے کہ "مسلمانانِ عالم" اسوقت ضعف و انحطاط کے جس اسفل السافلین میں پہنچ چکے ہیں وہاں سے نکلنے اور فلاح و ترقی کی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ بھی ایسا نہیں سوچا جا سکتا جو ایسے لوگوں کے نزدیک "لمبا" اور "مشکل" نہ ہو۔ بلکہ ہم پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر کوئی راستہ کم سے کم لمبا اور کم سے کم مشکل ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے جس کی طرف قرآن پاک بلا رہا ہے۔ قرن اول کے مسلمانوں نے پچیس سال کی مدت میں اپنی بے سروسامانی کے باوجود اس راستہ پر چل کر جتنا کچھ حاصل کیا تھا، دنیا کی تاریخ میں تلاش کر کے دیکھئے کسی قوم نے اتنی مدت میں اس سے

آدھا یا چوتھائی بھی کبھی حاصل کیا ہے؟

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب ہم مسلمانوں کے سامنے ان کی پستی و کمزوری کے اس قرآنی طریق علاج کو پیش کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے بتلائے ہوئے اس راستہ کی طرف دعوت دیتے ہیں تو بہتوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ ہمارا مدعا اور مسلمان قوم کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ صرف نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کر کے توکل بر خدا گھروں میں یا مسجدوں میں بیٹھ جائیں اور قوم کی فلاح و ترقی کے لئے اس عالم اسباب میں جو ظاہری تدبیریں اور سیاسی کوششیں ان کو کرنا چاہئیں وہ نہ کریں، اللہ کی غیبی مدد اور اس کے فرشتے آپ سے آپ مسلمان قوم کو فلاح و ترقی کے مقام تک پہنچا دیں گے اور "معجزہ" کے طور پر سب کچھ ہو جائے گا۔

بہرحال جو لوگ ہماری دعوت کا یہ مطلب لیتے ہیں وہ دراصل ہماری دعوت کے ساتھ ظلم کرتے ہیں، ہمارا مقصد اور مدعا صرف یہ ہے کہ مسلمان قوم میں اگر وہ ایمانی زندگی پیدا ہو جائے جو قرآنی وعدوں کے مطابق اللہ کی مدد کا مستحق بنا دیتی ہے تو پھر "مسلمان قوم" صحیح اصولوں پر جدوجہد کریگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں اس کی خاص مدد کی جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسباب و وسائل کی کمی اور مادی نقطۂ نظر سے کمزوری کے باوجود "باذن اللہ" وہ کامیاب ہوگی لیکن اپنے ممکنہ وسائل کے ذریعہ اسبابی تدبیریں اور کوششیں اس کو اتنی ہی اور بالکل اسی طرح کرنی پڑیں گی جس طرح کہ دنیا کے خدا ناشناس مادہ پرست کرتے ہیں، پس ہماری دعوت یہ نہیں ہے کہ مسلمان قوم تدبیریں اور کوششیں نہ کرے بلکہ یہ ہے کہ ایمانی زندگی اختیار کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کے شرائط پورے کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرے اور پھر اللہ کے وعدوں کا تماشا دیکھے، یہی قرآنی طریق کار ہے اور یہی انبیاء علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ ہے۔

ایک ضروری نکتہ یہاں اس حقیقت کا واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ قوموں کے ساتھ ان کے قومی کردار کے مطابق ہوتا ہے پس اگر کسی قوم میں چند آدمی نیک صالح بھی ہوں اور ان کی زندگی بالکل ایمانی زندگی ہو تو صرف ان کی وجہ سے پوری قوم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی خاص مدد کی مستحق نہیں ہو سکتی، ہاں ان نیک افراد کو اللہ تعالیٰ ان کی نیکی اور پرہیزگاری کی وہ جزا ضرور دیں گے جو افراد کی نیکی کے لئے مقرر ہے پوری قوم اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور اس کی نصرت و اعانت کی

مستحق جب ہی ہو سکتی ہے کہ قوم کی زندگی ایمانی زندگی ہو، یعنی کم از کم غالب اکثریت ایمانی اوصاف کی حامل ہو[1]۔

ضروری انتباہ | اس پورے مقالہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہئے کہ مسلمان قوم کو ایمانی زندگی کی دعوت، ہم صرف اس دنیا میں عزت کی زندگی اور بالاتری حاصل کرنے کے لئے دے رہے ہیں، اصل یہ ہے کہ اس وقت چونکہ اسکی ضرورت کا احساس اور اسکی طلب اور تڑپ پوری قوم میں ہو اس لئے ہم نے اس مقالہ میں اس کو خاص موضوع بنایا ہے ورنہ دین اور دینی زندگی کا اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور فلاح اُخروی ہے، ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو، اس کے لئے جو راستہ مقرر فرمایا گیا ہے اس سے دنیا میں بھی باعزت زندگی اور سرفرازی حاصل ہو جاتی ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہ

مسلمانوں میں دینی انقلاب پیدا کرنے کا طریق کار اور پروگرام

مسلمانوں کو دنیا میں امن و اطمینان اور عزت و اقتدار والی زندگی ملنے کیلئے اور آخرت میں نجات و فلاح حاصل ہونے کیلئے جس دینی اصلاح و انقلاب کی ضرورت ہو اسکے لئے ہمارے سامنے بحمداللہ ایک صاف اور واضح پروگرام ہے جس پر ہمیں پورا اطمینان ہو، مختصراً ہم یہاں بھی اس کو درج کرتے ہیں:۔

مسلمانوں میں ایمانی روح اور دینی زندگی عام ہونے کیلئے ضروری ہو کہ ان میں کم از کم مندرجہ ذیل دینی باتیں عام ہو جائیں۔

(الف) کلمۂ طیبہ کا مطلب اور اسکی حقیقت، اور اسکا مطالبہ انھیں معلوم ہو کیونکہ وہی دین و ایمان کی اصل و بنیاد ہو۔

(ب) دین میں نماز کی جو اہمیت ہو وہ اسکو جانتے ہوں، نماز پڑھتے ہوں اور اچھی سے اچھی خشوع و خضوع والی نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہوں اور نماز کے علاوہ دوسرے فرائض ادا کرنے اور محرمات سے بچنے کا بھی اہتمام کرتے ہوں۔

(ج) ایک مسلمان کو دین کی جو بنیادی باتیں معلوم ہونی چاہئیں وہ ان کو ضرور معلوم ہوں اور نہ معلوم ہوں تو ان کے معلوم کرنے کی فکر ہو۔

(د) اللہ سے ان کو خاص تعلق اور لگاؤ ہو اور وہ اس کو یاد کرنے والے اور یاد رکھنے والے ہوں کہ دین کی یہی روح ہے اور اسلام و ایمان کی یہی جان ہے۔

(ہ) دینی زندگی کے عام کرنے اور پھیلانے کی انھیں تڑپ ہو اور اس کے لئے جد و جہد اور کوشش

[1] مشکوٰۃ شریف میں صریح حدیث ہے، حضورؐ سے سوال کیا گیا "أنهلك وفينا الصالحون" (کیا ہم ایسے زمانہ میں بھی ہلاک کئے جائیں گے جب کہ ہم میں کچھ لوگ نیک ہوں گے) تو آپ نے جواب دیا "نعم اذا كثر الخبث" (یعنی ہاں جب امت میں اکثریت خبیث اور بداعمال لوگوں کی ہوگی تو وہ برباد کی جائے گی)

انھیں ہر دوسری چیز سے زیادہ مرغوب و محبوب ہے۔

اور ظاہر ہے کہ مسلمان قوم کا بہت بڑا حصہ ان اوصاف سے بالکل عاری ہو نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ کام صرف مضامین کی اشاعت یا تقریروں سے نہیں ہو سکتا، اولاً تو اس لئے کہ اتنی بڑی قوم میں مضامین کی اشاعت کے مصارف اور مبلغین کی تنخواہوں کے لئے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپئے کی ضرورت پڑے گی علاوہ ازیں مسلمان قوم کی زیادہ تعداد اب دین سے اتنی بے تعلق ہو چکی ہو کہ نہ وہ دینی مضامین سے کوئی دلچسپی رکھتی ہو نہ دینی اجتماعات میں اس کے لئے کوئی کشش ہو اس لئے کام کی صورت صرف یہی ہو کہ ہر مسلمان کو اس کام میں عملی حصہ لینے کی دعوت دی جائے اور جو اللہ کا بندہ اُٹھے وہ مندرجہ ذیل طریقہ اور ترتیب کے مطابق کام کرے۔

(۱) دین پر عمل کرنے اور دین کے لئے کوشش کرنے کے بارے میں جو غفلت و کوتاہی اب تک ہوئی ہو اس سے استغفار کیا جائے اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگی جائے اور امید رکھی جائے کہ انشاء اللہ دین کی اس دعوت و خدمت میں لگنے سے خود اپنی اصلاح و ترقی بھی ہوگی۔

(۲) پہلے اپنے شہر اور اپنی بستی میں ایسے لوگ تلاش کئے جائیں جو اس دینی کام میں آپ کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ ہوں نہ ملیں تو زبانی گفتگوؤں کے ذریعہ یا اس سلسلہ کی تحریریں دکھا کے اپنا ہمخیال اور ہمنوا بنانے کی کوشش کیجائے۔

(۳) جب دو چار ساتھی بھی مل جائیں تو جس میں اہلیت صلاحیت اور دین کی لگن زیادہ ہو اس کو امیر مقرر کر لیا جائے۔
(یہ امیر در اصل کوئی افسر اور حاکم نہ ہوگا بلکہ خادم ہوگا)

(۴) بستی کی کسی مناسب مسجد کو اپنا "مرکز" مقرر کر لیا جائے

(۵) ہفتہ کی کوئی ایک رات ایسی مقرر کر لی جائے جس میں مستقل ہفتہ وار "اجتماع" اسی مسجد میں ہوا کرے۔ اس اجتماع میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو لانے کی کوشش کی جائے، اس اجتماع میں کچھ عمومی، اصلاحی درس و تعلیم بھی ہو اس کے علاوہ اس دینی دعوت کی حقیقت اور اہمیت بھی تبلائی جائے (خواہ تقریر کی جائے یا اس سلسلہ کی کوئی مناسب تحریر پڑھ کر سنا دی جائے) اور نئے آنے والوں کو دعوت و ترغیب دی جائے۔ نیز آئندہ اجتماع تک کے کام کے متعلق مشورے بھی اس اجتماع میں کئے جائیں اور پروگرام بنا لیا جائے — یہ رات اسی مسجد میں گزاری جائے لیکن مسجد کے حقوق اور آداب کا خاص لحاظ رکھا جائے کوئی لایعنی اور دنیوی بات بالکل نہ ہو اور ذکر و تسبیح اور تہجد وغیرہ نوافل کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ یہ مسجد کا خاص حق ہے۔ نیز نئے آنے والوں کو بھی اپنے ساتھ رات گزارنے کی ترغیب دی جائے۔

(۶) اس رات کے علاوہ ہفتہ میں کم از کم ایک دن اپنے دوسرے کاموں سے فارغ کیا جائے اس دن میں جماعت کسی دوسری بستی میں جا کر قیام کرے اور اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کرے — ایک وقت درس و تعلیم کے لئے اور دعوت کی مشق و تربیت کے لئے رکھا جائے (اس تعلیم کے طریقہ اور نصاب پر الگ ایک مستقل رسالہ شائع کرنے کا ارادہ ہے[1])

دوسرے مناسب وقت میں بستی کے مسلمانوں میں عمومی گشت کیا جائے اور ضرورت ہو تو خصوصی ملاقاتیں بھی کی جائیں اس گشت اور ملاقات میں مختلف درجوں اور طبقوں کے لوگ ملیں گے ان سے انکی حیثیت کے مطابق دینی بات کی جائے۔

کسی ایک نماز کے بعد مسجد میں عمومی خطاب کے ذریعہ لوگوں کو یہ دینی زندگی اختیار کرنے کی یعنی دین پر چلنے اور دین کی خدمت کرنے کی دعوت و ترغیب دی جائے اور اس کا طریقہ تبلایا جائے اور اپنے ہفتہ وار اجتماع کے لئے انھیں دعوت دی جائے اور دونوں چیزوں کے لئے اُن سے وعدے لئے جائیں (یعنی خود کام کرنے اور اجتماع میں شرکت کرنے کے لئے) یہ عمومی خطاب جس نماز کے بعد کرنا ہو گشت میں اس کیلئے خصوصیت سے دعوت دیجائے۔

(۷) اسی طرح جماعتیں شہروں سے دیہاتوں میں، اور ایک دیہات سے دوسرے دیہات بھی جایا کریں اور وہاں بھی اسی طریقہ پر کام کیا کریں۔

(۸) ہر ہفتہ کے ایک دن کے علاوہ، ہر مہینہ میں کم از کم ایک دفعہ تین دن بھی اس کام کے لئے دوسرے مشاغل سے فارغ کرنے کی کوشش کیا کریں اور ان تین دنوں میں قرب و جوار کی کسی بستی میں جا کر مذکورہ بالا طریقہ

---

[1] "اسلام کی بنیادی تعلیم" کے عنوان سے جو مقالہ "الفرقان" کی اشاعت میں شائع ہو رہا ہے وہ بھی خاص اسی مقصد کے لئے لکھا گیا ہے،

ہی پر کام کیا کریں۔

(۹) ضرورت محسوس ہو تو ایک ہی جگہ بار بار جایا کریں تاکہ لوگ کام کو اور اس کے طریقہ کو اچھی طرح سمجھ لیں، اور دعوت جڑ پکڑ جائے۔

(۱۰) ایک شہر کے مختلف محلوں کی جماعتیں اور اس کے قرب و جوار کی بستیوں کی جماعتیں باہم ربط و تعلق رکھیں، اور ہفتہ وار مرکزی اجتماع میں ہر جماعت میں کچھ لوگ باری باری ضرور آیا کریں۔

(۱۱) جن مقامات پر کام بہت اچھا، اصولوں کے مطابق اور نمونہ کے معیار کا ہو تربیت حاصل کرنے کے لئے وہاں آنے جانے کا سلسلہ بھی ضرور قائم رکھا جائے۔

(۱۲) اس کام کے کرنے والوں کا مطمح نظر یہ ہونا چاہیئے کہ ہمیں صدی فی صدی مسلمانوں میں اس دینی زندگی کو عام کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ جب تک یہ کام پورا نہ ہو ہمیں برابر اسی راہ پر چلتے رہنا ہے اور اسی میں مرجانا ہے۔ راہ خدا کے مسافروں کو اس دنیا میں سستانے کی جگہ نہیں ہے۔

(۱۳) یہ کام چونکہ اجتماعی اور متحرک ہے، اس لئے اس میں غلطیوں اور بے عنوانیوں سے سخت فتنوں کا بھی خطرہ ہے، لہذا ضروری ہے کہ اس کام کے زمانہ میں خصوصیت سے اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے۔ انشاء اللہ ہر قسم کے فتنوں سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے گا۔

(۱۴) اس کام کے کرنے والوں کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ محبت اور احترام سے پیش آئیں، کسی کو اپنے سے کمتر نہ سمجھیں —— جو لوگ ان کی بات نہ مانیں یا بالفرض ان کے ساتھ بُری طرح پیش آئیں اور جہالت کی باتیں کریں تو ان کے ساتھ کبھی کوئی جوابی سلوک نہ کریں بلکہ ان کیلئے دعاء خیر کریں۔

(۱۵) اس سلسلہ میں ہر شخص اپنا خرچ حتی الوسع خود برداشت کرے، ہاں جماعت میں جو زیادہ فارغ البال ہوں وہ صحیح اسلامی طریقوں کی پابندی کرتے ہوئے نادار ساتھیوں کا خرچ برداشت کرنے کو اپنی سعادت سمجھیں بہر حال جہاں جائیں وہاں کے لوگوں پر کوئی بار ہرگز نہ ڈالیں لیکن ایسا رویہ بھی اختیار نہ کریں کہ وہ لوگ آزردہ ہوں۔

(۱۶) اس راہ میں سب سے اول اور سب سے آخر " اخلاص " ہے یعنی جو کچھ کیا جائے محض اللہ کی رضا کے لئے اور اس کے حکم کی تعمیل کی نیت سے اور ثواب آخرت کی امید پر کیا جائے

یہ ہے مختصر طریق کار اور پروگرام جس کے متعلق ہمیں پورا اعتماد ہے۔ اگر دین کا فکر اور احساس رکھنے والا طبقہ اس کو اپنا لے اور اس کا حق ادا کرے تو انشاء اللہ تین سال میں ورنہ زیادہ سے زیادہ پانچ سال میں پوری قوم میں دینی انقلاب برپا ہو سکتا ہے اور قوم کی زندگی اسلامی زندگی بن سکتی ہے۔

آخری بات

یہ اصول اگرچہ لکھ دیئے گئے ہیں لیکن جب تک چند بار آزمودہ کارکنوں کے ساتھ آپ کام نہ کریں گے ان اصولوں پر بھی قابو نہ پاسکیں گے ہمارا تجربہ یہی ہے لہذا اس کے لئے کچھ وقت ضرور نکالئے واللہ الموفق والمعین

اطلاع

یہ دینی کام اسی پروگرام کے مطابق جن مختلف مقامات پر ہو رہا ہے اس میں سے ایک لکھنؤ بھی ہے اور خود اس عاجز (محمد منظور نعمانی) کا قیام چونکہ لکھنؤ ہی میں ہے اس لئے اس کام میں عملی شرکت کا موقع مجھے زیادہ تر لکھنؤ ہی کے کارکنوں کے ساتھ ملتا ہے۔ پس اگر اس دینی دعوت کو اور اس کے طریق کار اور پروگرام کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اور عملی شرکت اور مشاہدہ کے ذریعہ پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے جناب لکھنؤ تشریف لانا چاہیں تو بہتر ہو کہ پہلے اس عاجز سے خط و کتابت فرمائیں۔

والسلام آخر الکلام

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ
دفتر " الفرقان " گوئن روڈ۔ لکھنؤ

اسلام کیا ہے اور مُسلمان کس کو کہتے ہیں؟

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے ہم کو اسلام نصیب فرمایا اور مسلمان بنایا، مگر افسوس ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس بے بہا نعمت کی پوری قدر نہیں کی، یعنی ہم کو جیسا مسلمان ہونا چاہیے تھا ہم ویسے مسلمان نہیں بنے، بلکہ ہمارے بہت سے بھائی تو بس نام کے مسلمان ہیں اور انھیں خبر بھی نہیں کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے اور مُسلمان کس کو کہتے ہیں۔

بھائیو! اسلام کسی قوم اور ذات برادری کا نام نہیں ہے کہ اُس میں پیدا ہونے والا ہر بچہ خود بخود شیخ یا سیّد ہو جاتا ہے اور اُس کو شیخ یا سیّد بننے کیلئے کچھ کرنا نہیں پڑتا۔

بلکہ اسلام نام ہے اُس دین کا اور اُس طریقہ پر زندگی گذارنے کا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے اور جو قرآن شریف میں اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں بتلایا گیا ہے۔ پس جو کوئی اُس دین کو اختیار کرے اور اُس طریقہ پر چلے وہی اصلی مسلمان ہے۔ اور جو لوگ نہ اُس دین کو جانتے ہیں اور نہ اُس پر چلتے ہیں وہ اصلی مسلمان نہیں ہیں

—— پس معلوم ہوا کہ اصلی مُسلمان بننے کیلئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔

ایک یہ کہ ہم دین اسلام کو جانیں اور کم سے کم اُسکی ضروری اور بنیادی باتوں کا ہمیں علم ہو۔

دوسرے یہ کہ ہم ان کو مانیں اور ان کے مطابق چلنے کا فیصلہ کریں۔

اسی کا نام اسلام ہے اور مسلمان ہونے کا یہی مطلب ہے۔ پس اسلام کا علم حاصل کرنا یعنی دین کی ضروری باتوں کا جاننا مسلمان ہونے کی سب سے پہلی شرط ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ — یعنی علم دین کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اسلام کی ضروری ضروری باتیں اور اس کے وہ تاکیدی احکام جو ہر مسلمان کو معلوم ہونے چاہئیں اور جن پر مسلمان کو چلنا چاہیے، مختصر اور آسان عبارت میں

صرف چند ورقوں میں لکھیں تاکہ ہمارے کم لکھے پڑھے بھائی بھی اس کو آسانی سے پڑھ سکیں اور بالکل بے پڑھے بھائی دوسروں سے سن کر سمجھ سکیں اور اُسکے مطابق عمل کر سکیں۔

بھائیو اور عزیزو! رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمارے واسطے جو دینی ہدایتیں لیکر آئے تھے آؤ ان کو خود سیکھیں ان پر عمل کریں اور دوسروں کو سکھلائیں اور دنیا میں انکو پھیلائیں تاکہ اللہ ہم سے راضی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پاک رُوح ہم سے خوش ہو۔ خدا کا وعدہ ہے کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو وہ دنیا میں، ہم پر رحمت فرمائے گا اور مرنے کے بعد جنت میں نہایت آرام اور چین عطا کرے گا۔ اور نبیوں، شہیدوں اور خدا کے نیک بندوں کا ساتھ ہمیں نصیب ہو گا۔ اس سے بڑی دولت اور کیا ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچا ایمان اور دین کا علم و عمل نصیب فرمائے اور اللہ کی ہدایت کو اس کے بندوں میں پھیلانے کا شوق ہمارے دلوں میں بھر دے۔ ہم مسلمان دراصل اسی لئے پیدا ہوئے ہیں اور یہی ہماری زندگی ہونی چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ اٰمین

یہ رسالہ

خاص طور سے

عام مسلمانوں کی دینی اصلاح و تعلیم ہی کیلئے لکھا گیا ہے

اسی لئے اس کو آسان اور عام فہم زبان میں لکھنے کی کوشش کیگئی ہے، اور صرف ضروری ضروری اور اصولی باتیں لکھی گئی ہیں۔ خصوصاً تبلیغی جماعتوں کیلئے ایک مختصر ابتدائی نصاب تعلیم کی ضرورت کا جو مدت سے احساس تھا انشاء اللہ اس رسالہ سے یہ ضرورت پوری ہو جائیگی ——— علاوہ ازیں عام مجلسوں اور مسجدوں میں اور گھر میں عورتوں و بچوں کو اگر روزانہ اس کا ایک ایک سبق یا اس سے بھی کم حصّہ آپ سنا دیا کریں تو انشاء اللہ مسلمانوں کی دینی اصلاح میں اس سے بہت مدد ملیگی۔ واللہ الموفق والمعین۔

پہلا سبق

کلمۂ طیبہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (یعنی کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں) اور محمد اُس کے رسول ہیں)

بھائیو! یہی کلمہ اسلام کا دروازہ اور دین و ایمان کی جڑ بنیاد ہے۔ اس کو قبول کر کے اور اعتقاد کے ساتھ پڑھ کے عمر بھر کا کافر اور مشرک بھی مومن اور مسلمان اور نجات کا مستحق ہو جاتا ہے مگر یہ شرط ہے کہ اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا جو اقرار ہے اس کو اُس نے سمجھ کر جانا ہو اور قبول کیا ہو۔ پس اگر کوئی شخص توحید و رسالت کو بالکل بھی نہ سمجھا ہو اور بغیر معنی مطلب سمجھے اس نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہو تو وہ اللہ کے نزدیک مومن اور مسلمان نہ ہوگا لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اس کلمہ کے معنی اور مطلب کو سمجھیں۔

اس کلمہ کے دو جز ہیں۔ پہلا جز ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو عبادت اور بندگی کے لائق ہو، بس اللہ تعالیٰ ہی کی ایک اکیلی ایسی ہستی ہے جو عبادت اور بندگی کے قابل ہے —— کیونکہ وہی ہمارا اور سب کا خالق و مالک ہے، وہی پالنے والا اور روزی دینے والا ہے، وہی مارنے والا اور جلانے والا ہے۔ بیماری اور تندرستی، امیری اور غریبی اور ہر طرح کا بناؤ بگاڑ اور نفع نقصان صرف اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس کے سوا زمین و آسمان میں جو ہستیاں ہیں خواہ انسان ہوں یا فرشتے سب اس کے بندے اور اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اُس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں ہے۔ اور نہ اس کے حکموں میں الٹ پلٹ کا کسی کو اختیار ہے اور نہ اس کے کاموں میں دخل دینے کی کسی کو مجال ہے۔ لہٰذا بس وہی اور صرف وہی اس لائق ہے کہ

اُسکی عبادت کیجائے اور اسی سے لو لگائی جائے۔ اور مشکلوں مصیبتوں اور اپنی تمام حاجتوں میں گڑگڑا گڑگڑا کر اسی سے دعا اور التجا کی جائے —— اور وہ ہی حقیقی مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے یعنی ساری دنیا کا بادشاہ ہے اور سب حاکموں سے بالاتر اور بڑا حاکم ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے ہر حکم کو مانا جائے اور پوری وفاداری کے ساتھ اس کے حکموں پر چلا جائے —— اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا کوئی حکم ہرگز نہ مانا جائے خواہ وہ کوئی ہو، اگرچہ اپنا باپ ہی ہو، یا حاکم وقت ہو، یا برادری کا چودھری ہو، یا کوئی پیارا دوست ہو، یا خود اپنے دل کی خواہش اور اپنے جی کی چاہت ہو۔ الغرض جب ہم نے جان لیا اور مان لیا کہ بس ایک اللہ ہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے اور ہم صرف اسی کے بندے ہیں تو چاہئے کہ ہمارا عمل بھی اسی کے مطابق ہو —— اور دنیا کے لوگ ہمیں دیکھ کر سمجھ لیا کریں کہ یہ صرف اللہ کے بندے ہیں جو اللہ کے حکموں پر چلتے ہیں اور اللہ ہی کے لئے جیتے اور مرتے ہیں۔

الغرض لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہمارا اقرار اور اعلان ہو۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہمارا اعتقاد اور ایمان ہو۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہمارا عمل اور ہماری شان ہو۔

بھائیو یہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دین کی بنیاد کی پہلی اینٹ اور سارے نبیوں کا سب سے اہم اور اوّل سبق ہے، اور دین کی تمام باتوں میں اس کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً [1]	ایمان کے ستر سے بھی اوپر شعبے ہیں اور انمیں سب سے
فَاَفْضَلُھَا قَوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔	افضل اور اعلیٰ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہونا ہے۔

اسی لئے ذکروں میں بھی سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے۔

اَفْضَلُ الذِّکْرِ [2] لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔	تمام ذکروں میں افضل و اعلیٰ لا الٰہ الا اللہ ہے۔

---

[1] یہ حدیث صحاح ستہ میں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔

[2] یہ حدیث ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔

اور ایک حدیث قدسی میں آیا ہے۔

لَوْاَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرْضِیْنَ	اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے
السَّبْعَ فِیْ کِفَّۃٍ وَّلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فِیْ	میں رکھی جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے
کِفَّۃٍ مَالَ بِھِمْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔	میں تو لا الہ الا اللہ کا پلڑا ہی بھاری رہے گا۔

بھائیو لا الہ الا اللہ میں یہ فضیلت اور وزن اسی لئے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا عہد و اقرار ہے یعنی صرف اسی کی عبادت و بندگی کرنے اور اسی کے حکموں پر چلنے اور اسی کو اپنا مقصود و مطلوب بنانے اور اسی سے لو لگانے کا فیصلہ اور معاہدہ ہے۔ اور یہی تو ایمان و اسلام کی رُوح ہے، اور اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اس کلمہ کو بار بار پڑھ کے اپنا ایمان تازہ کیا کریں۔ بہت مشہور حدیث ہے کہ ایک دن حضور صلعم نے فرمایا کہ

جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ	لوگو اپنے ایمانوں کو تازہ کرتے رہا کرو بعض صحابہ نے
کَیْفَ نُجَدِّدُ اِیْمَانَنَا قَالَ اَکْثِرُوْا مِنْ	عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کس طرح اپنے ایمانوں کو
قَوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔	تازہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ کثرت سے پڑھا کرو۔

"لا الہ الا اللہ" کے پڑھنے سے ایمان کے تازہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید یعنی صرف اسی کی عبادت و بندگی اور سب سے زیادہ اسی کی فدائیت و محبت اور اس کی اطاعت کا عہد و اقرار ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ ہی تو ایمان کی رُوح ہے۔ پس ہم جتنا بھی سمجھ کے اور دھیان کے ساتھ اس کلمہ کو پڑھیں گے یقیناً اتنا ہی ہمارا ایمان تازہ اور ہمارا عہد پختہ ہوگا اور انشاء اللہ لا الہ الا اللہ پھر ہمارا عمل اور ہمارا حال ہو جائے گا۔

پس بھائیو! طے کر لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور ارشاد کے مطابق ہم اس کلمہ کو دھیان کے ساتھ اور سچے دل سے کثرت کے ساتھ پڑھا کریں گے تاکہ ہمارا ایمان تازہ ہوتا رہے اور ہماری پوری زندگی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے سانچہ میں ڈھل جائے۔

یہاں تک کلمہ شریف کے صرف پہلے جز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا بیان ہوا۔

---

[1] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو نسائی اور حاکم اور بیہقی وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے۔

[2] یہ حدیث مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔

ہمارے کلمہ کا دوسرا جزء

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ

اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول خدا ہونے کا اقرار اور اعلان ہے حضور علیہ السلام کے رسول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجا تھا اور آپ نے جو کچھ بتلایا اور جو خبریں دیں وہ سب صحیح اور بالکل حق ہیں مثلاً قرآن مجید کا خدا کی طرف سے ہونا، فرشتوں کا ہونا، قیامت کا آنا، قیامت کے بعد مردوں کا پھر سے زندہ کیا جانا، اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں جانا وغیرہ وغیرہ، الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول خدا ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آپ نے جو باتیں اس طرح کی دنیا کو بتلائی ہیں وہ خدا کی طرف سے خاص اور یقینی علم حاصل کر کے بتلائی ہیں ——— اور وہ سب بالکل حق اور صحیح ہیں جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور اسی طرح آپ نے لوگوں کو جو ہدایتیں کیں اور جو احکام دیئے وہ سب دراصل خدا کی ہدایات اور خدائی احکام ہیں جو آپ پر وحی کئے گئے تھے ——— اسی سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ کسی کو رسول جاننے سے خود بخود یہ لازم آجاتا ہے کہ اس کی ہر ہدایت اور ہر حکم کو مانا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا رسول اسی واسطے بناتا ہے کہ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو اپنے وہ احکام بھیجے جن پر وہ بندوں کو چلانا چاہتا ہے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔	اور ہم نے ہر رسول کو اسلئے بھیجا کہ ہمارے فرمان سے اسکی اطاعت کیجائے یعنی اسکے حکموں کو مانا جائے۔

الغرض رسول پر ایمان لانے اور اس کو رسول ماننے کا مقصد و مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کی ہر بات کو بالکل حق مانا جائے اور اس کی تعلیم و ہدایات کو خدا کی تعلیم و ہدایت سمجھا جائے

اور اس کے حکموں پر چلنے کا فیصلہ کر لیا جائے۔ پس اگر کوئی شخص کلمہ تو پڑھتا ہو مگر اپنے متعلق اس نے یہ طے نہ کیا ہو کہ میں حضور کی بتلائی ہوئی ہر بات کو بالکل حق اور اس کے خلاف تمام باتوں کو غلط جانوں گا اور ان کی شریعت اور ان کے حکموں پر چلوں گا تو وہ آدمی در اصل مومن اور مسلمان ہی نہیں ہے اور شاید اس نے مسلمان ہونے کا مطلب ہی نہیں سمجھا ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جب ہم نے کلمہ پڑھ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا برحق رسول مان لیا تو ہمارے لئے ضروری ہو گیا کہ ان کے حکموں پر چلیں اور ان کی سب باتیں مانیں اور انکی لائی ہوئی شریعت پر پورا عمل کریں۔

کلمۂ شریف در اصل ایک اقرار اور عہد نامہ ہے

کلمہ شریف کے دونوں جز (لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ) کے مطلب کی جو تشریح اور وضاحت اوپر کی گئی ہے اس سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ کلمہ در اصل ایک اقرار نامہ اور عہد نامہ ہے اس بات کا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کو خدائے برحق اور معبود و مالک مانتا ہوں اور دنیا و آخرت کی ہر چیز کو صرف اسی کے قبضۂ و اختیار میں سمجھتا ہوں لہٰذا میں اس کی اور صرف اسکی عبادت اور بندگی کروں گا اور بندہ کو جس طرح اپنے مولا و آقا کے حکموں پر چلنا چاہئے اسی طرح میں اس کے حکموں پر چلوں گا اور ہر چیز سے زیادہ میں اس سے تعلق رکھوں گا۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں خدا کا برحق رسول تسلیم کرتا ہوں اب میں ایک امتی کی طرح انکی اطاعت و پیروی کروں گا اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرتا رہوں گا —— در اصل اسی عہد و اقرار کا نام ایمان ہے اور توحید و رسالت کی شہادت دینے کا بھی یہی مقصد و مطلب ہے۔

لہٰذا کلمہ پڑھنے والے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے کو اس عہد و شہادت کا پابند سمجھے اور اس کی زندگی اسی اصول کے مطابق گذرے تاکہ وہ اللہ کے نزدیک ایک سچا مومن و مسلم ہو اور نجات و جنت کا حقدار ہو۔

ایسے خوش نصیبوں کے لئے بڑی بشارتیں آئی ہیں جو کلمہ شریف کے ان دونوں جزو (توحید و رسالت) کو سچے دل سے قبول کریں اور دل و زبان اور عمل سے اس کی شہادت دیں۔

بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت معاذؓ سے فرمایا۔

مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ۔

جو کوئی سچے دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے تو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ ایسے شخص پر حرام کر دی ہے۔

بھائیو! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی حقیقت اور ان کے وزن کو خوب سمجھ کے دل وزبان سے ان کی شہادت دو اور فیصلہ کرلو کہ اپنی زندگی اس شہادت کے مطابق گذارینگے تاکہ ہماری شہادت جھوٹی نہ ٹھہرے، کیونکہ اس شہادت ہی پر ہمارے ایمان واسلام کا اور ہماری نجات کا دارومدار ہے۔ پس چاہیئے کہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہمارا پکا اعتقاد و ایمان ہو۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہمارا اقرار و اعلان ہو۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہماری زندگی کا اصول اور پوری دنیا کیلئے ہمارا پیغام ہو۔

دوسرا سبق

"نماز"

نماز کی اہمیت اور اُس کی تاثیر

اللہ و رسول پر ایمان لانے اور توحید و رسالت کی گواہی دینے کے بعد سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض اسلام میں "نماز" ہے ——— نماز اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت ہے جو دن رات میں پانچ دفعہ فرض کی گئی ہے قرآن شریف کی پچاسوں آیتوں میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیکڑوں حدیثوں میں نماز کی بڑی سخت تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کو دین کا ستون اور دین کی بنیاد کہا گیا ہے۔

نماز کی یہ خاص تاثیر ہے کہ اگر وہ ٹھیک طریقہ سے ادا کی جائے اور اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھتے ہوئے پورے دھیان سے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھی جائے تو اس سے آدمی کا دل پاک صاف ہوتا ہے اور اس کی زندگی درست ہو جاتی ہے اور برائیاں اس سے چھوٹ جاتی ہیں اور نیکی اور سچائی کی محبت اور خدا کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسلام میں دوسرے تمام فرضوں سے زیادہ اس کی تاکید ہے ——— اور اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص آپ کے پاس آکر اسلام قبول کرتا تو آپ توحید کی تعلیم کے بعد پہلا عہد اس سے "نماز" ہی کا لیا کرتے تھے۔ الغرض کلمہ کے بعد نماز ہی اسلام کی بنیاد ہے۔

نماز نہ پڑھنا اور نماز نہ پڑھنے والے رسول اللہؐ کی نظر میں

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، نماز نہ پڑھنے کو کفر کی بات اور کافروں کا طریقہ قرار دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ۔	بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بندہ اگر نماز چھوڑ دے گا تو کفر سے مل جائے گا اور اس کا یہ عمل کافروں کا سا عمل ہوگا۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے۔

لا سھم فی الاسلام لمن لا صلوٰۃ لہٗ۔	اسلام میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں جو نماز نہ پڑھتا ہو۔

نماز پڑھنا کتنی بڑی دولت اور کیسی نیک بختی ہے، اور نماز چھوڑنا کتنی بڑی ہلاکت اور کیسی بدبختی ہے اس کا اندازہ کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک حدیث اور سنئے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر الصلوٰۃ یوماً فقال من حافظ علیھا کانت لہٗ نوراً وبرھاناً ونجاۃً یوم القیٰمۃ ومن لم یحافظ علیھا لم تکن لہٗ نوراً ولا برھاناً ولا نجاۃً وکان یوم القیٰمۃ مع قارون وفرعون وھامان واُبَیِّ بن خلفٍ۔	ایک دن رسول اللہ صلعم نے نماز کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی نماز کو اچھی طرح اور پابندی سے ادا کریگا تو اسکے واسطے قیامت میں وہ نور ہوگی اور اسکے لئے (ایمان و اسلام کی) دلیل ہوگی اور نجات دلانے کا ذریعہ بنے گی، اور جو کوئی اسکو خیال سے اور پابندی سے ادا نہیں کریگا تو نہ وہ اسکے لئے نور ہوگی نہ دلیل بنے گی اور نہ وہ اسکو عذاب سے نجات دلائیگی اور وہ شخص قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کیساتھ ہوگا۔

بھائیو! ہم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ اگر ہم نے اچھی طرح اور پابندی سے نماز پڑھنے کی عادت نہ ڈالی تو پھر ہمارا حشر اور ہمارا انجام کیا ہونے والا ہے۔

نماز نہ پڑھنے والوں کی میدان حشر میں رسوائی

نماز نہ پڑھنے والوں کو قیامت کے دن سب سے پہلے جو سخت ذلت و رسوائی اٹھانا پڑیگی اس کو قرآن مجید کی ایک آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون خاشعۃ ابصارھم ترھقھم ذلۃ وقد کانوا یدعون الی السجود وھم سالمون ٥

اس آیت کا مطلب اور خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن (جبکہ نہایت سخت گھڑی ہوگی اور شروع دنیا سے لیکر قیامت تک کے سارے انسان محشر میں جمع ہوں گے) تو اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ظاہر ہوگی اور اس وقت پکارا جائے گا کہ سب لوگ اللہ کے حضور سجدہ میں گر جائیں، تو جو خوش نصیب دنیا میں نمازیں پڑھتے تھے اور اللہ کو سجدے کیا کرتے تھے وہ تو فوراً سجدہ میں چلے جائینگے ـــــ لیکن جو بدنصیب تندرست اور اچھے ہٹے کٹے ہونے کے باوجود نمازیں نہیں پڑھتے تھے، ان کی کمریں اسوقت تختہ کی مانند سخت کردی جائیں گی اور وہ کافروں کے ساتھ کھڑے رہ جائینگے سجدہ نہ کرسکیں گے اور ان پر سخت ذلت وخواری کا عذاب چھا جائے گا اور ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی، وہ آنکھ اٹھاکر کچھ دیکھ بھی نہ سکیں گے ـــــ دوزخ کے عذاب سے پہلے ذلت وخواری کا یہ عذاب انھیں سرِ محشر ساری دنیا کے سامنے اٹھانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عذاب سے بچائے۔

دراصل نماز نہ پڑھنے والا شخص ایک طرح سے خدا کا باغی ہے اور وہ جس قدر بھی ذلیل و رسوا کیا جائے اور جتنا بھی اس کو عذاب دیا جائے بلا شبہ وہ اس کا مستحق ہے۔ امت کے بعض اماموں کے نزدیک تو نماز چھوڑنے والے لوگ دین سے خارج اور مرتدوں کی طرح قتل کئے جانے کے قابل ہیں۔

بھائیو! ہم سب کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ نماز کے بغیر اسلام کا دعویٰ بے ثبوت اور بے بنیاد ہے۔ نماز پڑھنا ہی وہ خاص اسلامی عمل ہے جو اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق جوڑتا ہے اور ہم کو اس کی رحمت کا مستحق بناتا ہے۔

نماز کی برکتیں جو بندہ پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوکر دست بستہ کھڑا ہوتا ہے اس کی حمد وثنا کرتا ہے، اس کے سامنے جھکتا ہے اور سجدہ میں گرتا ہے اور اس سے دعائیں کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی خاص محبت ورحمت کا مستحق ہوجاتا ہے، اور ہر ہر وقت کی

نماز سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے اور اس کی زندگی گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف ہو جاتی ہے ——— ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بڑی اچھی مثال دے کر فرمایا۔

ارأیتم لو ان نهرا بباب احدکم
یغتسل فیه کل یوم خمسا
هل یبقی من درنه شیٔ قالوا
لا یبقی من درنه شیٔ قال
فذالك مثل الصلوٰة الخمس
یمحو الله بهن الخطایا۔

بتلاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر جاری ہو
جسمیں وہ ہر دن میں پانچ دفعہ نہاتا ہو تو کیا
اسکے جسم پر کچھ بھی میل رہے گا؟ (لوگوں نے عرض کیا
حضور کچھ بھی نہیں رہے گا) آپنے ارشاد فرمایا بس
پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہی ہے اللہ تعالےٰ انکی
برکت سے گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

جماعت کی تاکید اور فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی اصل فضیلت اور برکت حاصل ہونے کے لئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بھی شرط ہے اور اس کی اتنی سخت تاکید ہے کہ جو لوگ غفلت سے یا سستی سے جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے اُن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا کہ "میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان کے گھروں میں آگ لگوا دوں"

بس اسی ایک حدیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جماعت کا چھوڑنا اللہ و رسول کو کس قدر ناپسند ہے۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب تنہا پڑھنے سے ۲۷ گنا زیادہ ہوتا ہے۔

پس ہم میں سے ہر شخص کو سوچنا چاہئے کہ بلا کسی سخت مجبوری کے جماعت کھو دینا کتنا بڑا گھاٹا ہے۔

نماز میں خشوع وخضوع کی اہمیت

خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھتے ہوئے نماز اس طرح پڑھی جائے کہ دل اس کی محبت سے بھرا ہوا ہو اور اس کے خوف سے اور اسکی بڑائی وعظمت کے خیال سے سہا ہوا ہو، جیسے کوئی مجرم کسی بڑے سے بڑے حاکم و بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ کھڑا ہو تو خیال کرے کہ میں اپنے اللہ کے سامنے حاضر ہوں اور اس کی تعظیم میں کھڑا ہوں، رکوع کرے تو خیال کرے کہ میں اسی کے آگے جھک رہا ہوں، اسی طرح جب سجدہ کرے تو خیال کرے کہ میں اس کے حضور میں سجدہ کر رہا ہوں اور اسی کے سامنے اپنی ذلت اور عاجزی ظاہر کر رہا ہوں —— اور بہت اچھا تو یہ ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں اور رکوع وسجدہ میں جو کچھ پڑھے اس کو سمجھ کر پڑھے۔ در اصل نماز کا اصلی مزہ جب ہی ہی کہ جو کچھ اس میں پڑھا جائے اس کے معنی مطلب سمجھ کر پڑھا جائے۔ (نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کے معنی یاد کر لینا بڑا آسان ہے)۔

نماز میں خشوع وخضوع اور اللہ تعالیٰ کی طرف دل کی توجہ، در اصل نماز کی رُوح اور اس کی جان ہی، اور اللہ کے جو بندے ایسی نماز پڑھیں اُن کی نجات اور کامیابی یقینی ہی۔

قرآن شریف میں ہے۔

قد افلح المومنون الذین ھم	کامیاب ہو بامراد ہیں وہ ایمان والے جو اپنی نمازیں
فی صلوٰتھم خاشعون ۝	خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

اور ایک حدیث شریف میں ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

خمس صلوات افترضھن اللّٰہ	پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے
تعالیٰ، من احسن وضوئھن و	اچھی طرح ان کیلئے وضو کیا، اور ٹھیک وقت پر ان کو
صلاھن لوقتھن و اتم رکوعھن	پڑھا، اور رکوع وسجدہ بھی جیسے کرنا چاہئے ویسے ہی کیا،
وخشوعھن کان لہ علی اللّٰہ	اور خوب خشوع کیساتھ انکو ادا کیا، تو ایسے شخص کیلئے
عھد ان یغفرلہ ومن لم یفعل	اللہ کا وعدہ ہی کہ وہ اس کو بخش دیگا اور جسنے ایسا نہ کیا

فلیس لہٗ علی اللہ عھد ان شاء غفرلہٗ وان شاء عذبہٗ۔

(یعنی جسنے اتنی اچھی طرح نماز نہ پڑھی) تو اسکے لئے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں ہی چاہے گا تو اسکو بخشدیگا اور چاہے گا تو سزا دیگا۔

پس اگر ہم چاہتے ہیں کہ آخرت کے عذاب سے نجات پائیں اور اللہ تعالیٰ ضرور ہی ہم کو بخشدیں، تو ہمیں چاہئے کہ اس حدیث شریف کے مضمون کے مطابق پانچوں وقت کی نماز ہم اچھے سے اچھے طریقہ سے پڑھا کریں۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

جب نماز کا وقت آئے تو ہمیں چاہئے کہ پہلے اچھی طرح وضو کریں اور یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری کے لئے اور اس کی عبادت کے لئے یہ پاکی اور یہ صفائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے وضو میں بھی ہمارے لئے بڑی رحمتیں اور برکتیں رکھی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ وضو میں جسم کے جو حصّے اور جو اعضاء دھوئے جاتے ہیں اُن اعضا سے ہونے والے گناہ وضو ہی کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں، اور ان گناہوں کا ناپاک اثر گویا وضو کے پانی سے دھل جاتا ہے۔

وضو کے بعد جب ہم نماز کیلئے کھڑے ہونے لگیں تو چاہئے کہ خوب اچھی طرح دل میں یہ خیال جمائیں کہ ہم گنہگار اور روسیاہ بندے اپنے اس مالک ومعبود کے سامنے کھڑے ہو رہے ہیں جو ہمارے ظاہر و باطن اور کھلے چھپے سب حالات جانتا ہے، اور قیامت کے روز ہم کو اس کے سامنے پیش ہونا ہے ـــــ پھر جو وقت کی نماز پڑھنی ہو خاص اسی وقت کی نیت کر کے اور قاعدہ کے مطابق کانوں تک ہاتھ اٹھا کے دل وزبان سے کہنا چاہئے ـــ اللہ اکبر (اللہ بہت بڑا ہی)۔

پھر ہاتھ باندھ کے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا پورا دھیان کر کے پڑھنا چاہئے۔

سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک۔

اے میرے اللہ پاک ہی تیری ذات اور تیرے ہی لئے ہی ہر تعریف اور برکت والا ہی تیرا نام اور اونچی ہو تیری شان اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم — میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑی رحمت والا نہایت مہربان ہے۔

الحمد للہ رب العالمین ۞ الرحمٰن الرحیم ۞ مالک یوم الدین ۞ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۞ اھدنا الصراط المستقیم ۞ صراط الذین انعمت علیھم ۞ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۞ آمین ۞

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے، جزا کے دن کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اے اللہ ہم کو سیدھے راستہ پر چلا۔ ان اچھے بندوں کے راستہ پر جن پر تو نے فضل فرمایا۔ نہ ان پر تیرا غضب و غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے اے اللہ میری یہ دعا قبول فرمالے۔

اس کے بعد کوئی سورت یا کسی سورت کا کچھ حصہ پڑھے۔

ہم یہاں قرآن شریف کی آخری تین سورتیں ترجمہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

(۱) قل ھو اللہ احد ۞ اللہ الصمد ۞ لم یلد ۞ ولم یولد ۞ ولم یکن لہ کفوًا احد ۞

کہو اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اُسکے محتاج ہیں۔ نہ اسکے اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔

(۲) قل اعوذ برب الفلق ۞ من شر ما خلق ۞ ومن شر غاسق اذا وقب ۞ ومن شر النفّٰثٰت فی العقد ۞ ومن شر حاسد اذا حسد ۞

کہو میں صبح کی روشنی کے رب کی پناہ لیتا ہوں اسکی سب مخلوق کے شر سے، اور اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جاوے۔ اور پھونکنے والیوں کے شر سے گرہوں میں (یعنی ٹونے ٹوٹکے کرنے والی عورتوں کے شر سے) اور حسد کرنیوالے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

(۳) قل اعوذ برب الناس ۞ ملک الناس ۞ الٰہ الناس ۞ من شر الوسواس الخناس ۞ الذی یوسوس فی صدور الناس ۞ من الجنۃ والناس

کہو میں پناہ لیتا ہوں سب آدمیوں کے رب کی، سب کے بادشاہ اور سب کے معبود کی، برا خیال ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانیوالے کے شر سے، جو آدمیوں کے دلوں میں برے خیال ڈالتا ہے، خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے

بہرحال الحمد شریف کے بعد قرآن شریف کی کوئی سورت یا اس کا کچھ حصہ پڑھنا چاہئے۔ ہر نماز میں اتنی قرأت، یعنی اتنا قرآن پڑھنا ضروری ہے ـــــ جب یہ قرأت کر چکے تو اللہ تعالیٰ کی شان کی بڑائی اور کبریائی کا دھیان کرتے ہوئے دل وزبان سے اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے اور بار بار کہے

سبحان ربی العظیم سبحان ربی العظیم سبحان ربی العظیم

پاک ہے میرا پروردگار جو بڑی شان والا ہے پاک ہے میرا پروردگار جو بڑی شان والا ہے پاک ہے میرا پروردگار جو بڑی شان والا ہے

جس وقت رکوع میں اللہ تعالیٰ کی پاکی اور بڑائی کا یہ کلمہ زبان پر جاری ہو، اس وقت دل میں بھی اس کی پاکی اور عظمت کا پورا پورا دھیان ہونا چاہئے ـــــ اس کے بعد رکوع سے سر اٹھائے اور کہے

سمع اللہ لمن حمدہٗ (اللہ نے اس بندہ کی سن لی جس نے اس کی تعریف بیان کی)۔

اُس کے بعد کہے۔ "ربنا لک الحمد" (اے ہمارے مالک اور پروردگار سب تعریف تیرے ہی لئے ہے)

اس کے بعد پھر دل وزبان سے "اللہ اکبر" کہے اور اپنے مولا کے سامنے سجدہ میں گر جائے، اور یکے بعد دیگرے دو سجدے کرے اور ان سجدوں میں اللہ تعالیٰ کا پورا دھیان کر کے اور اپنے سامنے اس کو حاضر ناظر جان کے اور اس کو اپنا مخاطب بنا کے زبان سے اور زبان کیساتھ دل و جان سے کہے اور بار بار کہے

سبحان ربی الاعلےٰ سبحان ربی الاعلےٰ سبحان ربی الاعلےٰ

پاک ہے میرا پروردگار جو بہت اونچی شان والا ہے پاک ہے میرا پروردگار جو بہت اونچی شان والا ہے پاک ہے میرا پروردگار جو بہت اونچی شان والا ہے

سجدہ کی حالت میں جس وقت یہ کلمہ زبان پر ہو، اس وقت دل میں اپنی عاجزی اور کمتری کا اور اللہ تعالیٰ کی پاکی اور بے حد بلندی کا پورا پورا دھیان ہونا چاہئے۔ یہ دھیان اور یہ خیال جتنا زیادہ اور جتنا گہرا ہوگا، نماز اتنی ہی زیادہ اچھی اور زیادہ قیمتی ہوگی، کیونکہ یہی نماز کی روح ہے۔

یہ صرف ایک رکعت کا بیان ہوا، پھر جتنی رکعت نماز پڑھنی ہو اس طرح پڑھنی چاہئے، البتہ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ "سبحانک اللھم" صرف پہلی ہی رکعت میں پڑھا جاتا ہے۔

نماز کے آخر میں اور درمیان میں جب بیٹھتے ہیں تو التحیات پڑھتے ہیں جو گویا نماز کا خلاصہ اور جوہر ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

التحیات للّٰہ　　ادب و تعظیم کے سب کلمے اللہ ہی کیلئے ہیں۔

والصلوٰت والطیبات　　اور سب عبادتیں اور صدقے اللہ ہی کیواسطے ہیں۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ　　سلام ہو تم پر اے نبیؐ! اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں۔

السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصّٰلحین۔　　سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ　　میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی عبادت کے قابل نہیں سوا اللہ کے۔

واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ　　اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اسکے پیغمبر ہیں۔

تین رکعت اور چار رکعت والی نمازوں میں جب دوسری رکعت پر بیٹھتے ہیں تو صرف یہ "التحیات" ہی پڑھی جاتی ہے، اور آخری رکعت پر جب بیٹھتے ہیں تو التحیات کے بعد درود شریف اور ایک اور دعا بھی پڑھتے ہیں، ہم ان دونوں کو بھی یہاں درج کرتے ہیں۔

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد　　اے اللہ حضرت محمدؐ پر اور انکی آل پر خاص رحمت فرما۔

کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم　　جیسے تو نے حضرت ابراہیمؑ پر اور انکی آل پر رحمت کی۔

انک حمید مجید۔　　تو بڑی تعریفوں والا بڑی بزرگی والا ہے۔

اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد　　اے اللہ حضرت محمدؐ پر اور انکی آل پر برکتیں نازل فرما۔

کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم　　جیسے تو نے حضرت ابراہیمؑ پر اور انکی آل پر برکتیں نازل کیں۔

انک حمید مجید۔　　تو بڑی تعریفوں والا بزرگی والا ہے۔

یہ درود شریف در اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ کی آل کیلئے (یعنی آپکے گھر والوں اور آپ سے دینی تعلق رکھنے والوں کیلئے) رحمت اور برکت کی دعا ہے ——— ہم کو دین کی نعمت اور نماز کی دولت چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطہ سے ملی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے حضور کے اس احسان کو شکریہ کے طور پر ہمارے ذمہ مقرر کیا ہے کہ جب نماز پڑھیں تو اس کے آخر میں حضور کیلئے اور حضور کی آل کیلئے رحمت و برکت کی دعا بھی کریں۔

پس ہمیں چاہئے کہ ہر نماز کے آخر میں التحیات پڑھنے کے بعد ہم حضور کے اس احسان کو یاد کر کے دل سے ان پر یہ درود شریف پڑھیں اور اُنکے واسطے رحمت و برکت کی دعا مانگیں۔

پھر درود شریف کے بعد اپنے لئے یہ دعا کریں۔ اور اس کے بعد سلام پھیر دیں۔

اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً — اے میرے اللہ میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا،
(اور تیری فرمانبرداری اور عبادت میں مجھ سے بڑا قصور ہوا)

وانہ لا یغفر الذنوب الا انت — اور تیرے سوا کوئی گناہوں کا بخشنے والا نہیں۔

فاغفرلی مغفرۃً من عندک وارحمنی — بس تو مجھے محض اپنے فضل سے بخشدے اور مجھ پر رحم فرما۔

انک انت الغفور الرحیم۔ — تو بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

اس دعا میں اپنے گناہوں اور قصوروں کا اقرار ہے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش اور رحم کی استدعا ہے ——— درحقیقت بندہ کیلئے یہی مناسب ہے کہ وہ نماز جیسی عبادت کرکے بھی اپنے قصور کا اقرار کرے اور اپنے کو گنہگار اور قصوروار سمجھے اور اللہ کی بخشش اور اسکی رحمت ہی کو اپنا سہارا سمجھے اور عبادت کی وجہ سے کوئی غرور اس میں پیدا نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ہم سے کسی طرح بھی ادا نہیں ہوسکتا۔

اس سبق میں نماز کے متعلق جو کچھ بیان کرنا تھا وہ سب بیان کیا جاچکا آخر میں ہم پھر کہتے ہیں کہ نماز وہ کیمیا اثر عبادت ہے کہ اگر اس کو دھیان کے ساتھ اور سمجھ سمجھ کے اور خشوع وخضوع سے ادا کیا جائے جیساکہ اوپر ہم نے بتلایا ہے تو وہ انسان کو اعمال واخلاق میں فرشتہ بنا سکتی ہے ——— بھائیو! نماز کی قدر وقیمت کو سمجھو ———

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے نماز پر قائم رہنے کی اتنی فکر تھی کہ بالکل آخری وقت میں جبکہ حضور اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور زبان سے کچھ فرمانا بھی مشکل تھا، اس وقت بھی آپ نے اپنی امت کو نماز پر قائم رہنے اور نماز کو قائم رکھنے کی بڑی تاکید کیساتھ وصیت فرمائی تھی۔

بس جو مسلمان آج نماز نہیں پڑھتے اور نماز کو قائم کرنے اور رواج دینے کی کوئی کوشش نہیں کرتے وہ ذرا سوچیں کہ قیامت میں وہ کس طرح حضور کے سامنے جاسکیں گے اور کس طرح حضور سے آنکھ ملاسکیں گے جبکہ وہ حضور کی آخری وصیت کو بھی پامال کررہے ہیں۔

آؤ ہم سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ میں دعا کریں۔

رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ٥ ربنا وتقبل دعاء ٥ ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب ٥ (اے پروردگار! آپ مجھ کو اور میری نسل کو نماز قائم کرنیوالا بنا دیجئے۔ اے پروردگار مجھ کو اور میرے والدین کو اور سب ایمان والوں کو قیامت کے دن بخش دیجئے)

تیسرا سبق

زکواۃ - روزہ - حج

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں ایمان اور نماز کے بعد، زکواۃ کا درجہ ہے، اور اس کے بعد روزہ اور حج کا درجہ ہے۔ اسلام کے ان تینوں رکنوں کے متعلق جو کچھ ہم کو بیان کرنا ہے اس کو ہم ایک ہی سبق میں بیان کرتے ہیں۔ مدیر

(۱) زکواۃ

قرآن شریف میں جا بجا نماز کے ساتھ ساتھ زکواۃ کی تاکید کی گئی ہے۔ اگر آپ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوں گے تو اس میں بیسیوں جگہ پڑھا ہوگا:۔ "اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکواۃ" (یعنی نماز قائم کرو اور زکواۃ دیا کرو) اور کئی جگہ مسلمانوں کی لازمی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ "الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکواۃ" (یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے اور زکواۃ نہیں دیتے وہ اصلی مسلمان نہیں ہیں کیونکہ اسلام کی جو باتیں اور جو صفتیں اصلی مسلمانوں میں ہونی چاہئیں وہ اُن میں نہیں ہیں۔

بہرحال نماز نہ پڑھنا اور زکواۃ نہ دینا قرآن شریف کے بیان کے مطابق مسلمانوں کی صفت نہیں ہے بلکہ کافروں مشرکوں کی صفت ہے۔ نماز کے متعلق تو سورۂ روم کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے۔

اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین ۝　نماز قائم کرو (اور نماز چھوڑ کے) مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

اور زکواۃ نہ دینے کو مشرکوں کافروں کی صفت، سورۂ فصلت کی اس آیت میں تبلایا گیا ہے۔

وویل للمشرکین الذین لایؤتون الزکوٰۃ وھم بالاخرۃ ھم کافرون ہ	ان مشرکوں کیلئے بڑی خرابی ہے اور انکا انجام بہت برا ہونیوالا ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر اور کافر ہیں ۔

ان زکوٰۃ نہ دینے والوں کا جو برا انجام قیامت میں ہونے والا ہے اور جو سزا ان کو ملنے والی ہے وہ اتنی سخت ہے کہ اس کے سننے ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کانپنے لگتے ہیں ۔ سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ہ	اور جو لوگ سونا چاندی (مال و دولت) جوڑ کے رکھتے ہیں اور اسکو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی ان پر جو زکوٰۃ وغیرہ فرض ہے اسکو ادا نہیں کرتے) اے رسول تم انھیں سخت دردناک عذاب کی خبر سنا دو، جس دن کہ تپایا جائے گا انکی اس دولت کو دوزخ کی آگ میں، پھر داغی جائینگی اس سے انکی پیشانیاں اور انکی کروٹیں اور پیٹھیں (اور کہا جائیگا) یہ ہے وہ مال و دولت جس کو تم نے جوڑا تھا اپنے واسطے پس مزا چکھو اپنی جوڑی ہوئی دولت کا ۔

اس آیت کے مضمون کی کچھ تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بھی فرمائی ہے اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ

جس شخص کے پاس سونا چاندی (یعنی مال و دولت) ہو اور وہ اسکا حق ادا نہ کرے (یعنی زکوٰۃ وغیرہ نہ دیتا ہو) تو قیامت کے دن اس کے واسطے آگ کی تختیاں تیار کی جائیں گی پھر ان کو دوزخ کی آگ میں اور زیادہ گرم کرکے، اُن سے اس شخص کی پیشانی کو اور کروٹ کو اور پشت کو داغا جائیگا ۔ اور اسی طرح بار بار اُن تختیوں کو دوزخ کی آگ پر تپا کے اس شخص کو داغا جاتا رہے گا، اور روز قیامت کی پوری مدت میں اس عذاب کا سلسلہ جاری رہے گا اور وہ مدت پچاس ہزار سال کی ہو گی ۔ (تو گویا

پچاس ہزار سال تک اس کو یہ سخت دردناک عذاب ہوتا رہے گا)۔

بعض حدیثوں میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کیلئے اس کے علاوہ اور دوسری قسم کے سخت عذابوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو خوشحال اور مالدار کیا ہے وہ اگر زکوٰۃ نہ دیں اور اللہ کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں خرچ نہ کریں تو بلاشبہ وہ بڑے ہی ناشکرے اور بڑے ظالم ہیں، اور ان کو جو سخت سے سخت سزا بھی قیامت میں دی جائے بالکل بجا ہے —— پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ زکواۃ وصدقات سے دراصل اپنے ہی غریب اور ضرورت مند بھائیوں کی خدمت ہوتی ہے تو زکواۃ نہ نکالنا دراصل اپنے ان غریب اور مجبور بھائیوں پر ظلم کرنا ہے اور اُنکا حق مارنا ہے۔

بھائیو! ذرا سوچو ہمارے آپ کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا تو دیا ہوا ہے، اور ہم خود بھی اسی کے بندے اور اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، پس اگر وہ ہم سے ہمارا سارا مال بھی طلب کرے بلکہ جان دینے کو بھی کہے تو ہمارا فرض ہے کہ بلا چون وچرا سب کچھ دے دیں —— یہ تو اس کا بڑا کرم ہے کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے صرف چالیسواں حصہ نکالنے کا اس نے حکم دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا دوسرا بہت بڑا کرم اور احسان یہ ہے کہ اس نے زکواۃ اور صدقہ کا بہت بڑا ثواب مقرر کیا ہے حالانکہ زکواۃ یا صدقہ دینے والا بندہ جو کچھ دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے دیئے ہوئے مال میں سے دیتا ہے اس لئے اگر اللہ پاک اس پر کوئی ثواب نہ دیتا تو بالکل حق تھا مگر یہ اس کا کرم ہی کرم ہے کہ اس کے دیئے ہوئے مال میں سے ہم جو کچھ اس کے حکم سے زکوٰۃ یا صدقہ کے طور پر اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو وہ اس سے بہت خوش ہوتا ہے اور اس پر بڑے بڑے ثوابوں کا وعدہ فرماتا ہے۔ قرآن مجید ہی میں ارشاد ہے۔

مثل الذین ینفقون اموالہم	جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں انکے
فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت	اس خرچ کرنے کی مثال اُس دانہ کی سی ہے جس سے
سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ	پودا اُگے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں
حبۃ واللہ یضعف لمن یشاء	سو دانے ہوں، اور اللہ بڑھاتا ہے جسکے واسطے چاہے

واللہ واسع علیم ۝ الذین ینفقون	وہ بڑی وسعت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔
اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون	جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر
ما انفقوا مناً ولا اذیً ۝ لھم	نہ وہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں
اجرھم عند ربھم ولا خوف	ان کیواسطے انکے ربکے پاس بڑا ثواب ہے اور نہیں
علیھم ولا ھم یحزنون ۝	قیامت میں کوئی خوف وخطرہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے

اس آیت میں زکوٰۃ دینے والوں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین وعدے فرمائے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ جتنا وہ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس کے بدلہ سیکڑوں گنا دیگا۔

دوسرے یہ کہ ان کو بڑا اجر وثواب ملے گا اور بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی۔

تیسرے یہ کہ قیامت کے دن انکو کوئی خوف وخطر اور کوئی رنج وغم نہ ہوگا۔ سبحان اللہ!

بھائیو! صحابۂ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں پر پورا پورا یقین تھا اسلئے انکا حال یہ تھا کہ جب راہ خدا میں صدقہ کرنے کی فضیلت کی اور ثواب کی آیتیں حضور پر نازل ہوئیں اور انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا بیان سنا تو ان میں جو غریب تھے اور جن کے پاس صدقہ کرنے کیلئے پیسہ بھی نہ تھا وہ بھی صدقہ کرنے کے ارادہ سے مزدوری کرنے کیلئے گھروں سے نکل پڑے اور اپنی پیٹھ پر بوجھ لاد لاد کر انھوں نے پیسے کمائے اور راہ خدا میں صدقہ کیا[1]۔

آخر میں ہم صرف ایک حدیث اور نقل کرکے زکاۃ کا بیان ختم کرتے ہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا

تین باتیں ہیں جس شخص نے انکو اختیار کرلیا اُسنے ایمان کا مزہ پالیا۔ ایک[1] یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کرے، اور دوسرے[2] یہ کہ لا الہ الا اللہ پر اس کا سچا ایمان و اعتقاد ہو، اور تیسرے[3] یہ کہ ہر سال دل کی پوری خوشی سے اپنے مال کی زکات ادا کرے۔ (تو جس کو یہ تین باتیں حاصل ہوجائیں اس کو ایمان کی لذت اور چاشنی حاصل ہوجائیگی)۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کا ذائقہ اور اس کی لذت نصیب فرمادیں۔

---

[1] ریاض الصالحین صفحہ ۲۸ بحوالہ بخاری و مسلم۔

(۲) روزہ

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں ایمان اور نماز و زکواۃ کے بعد روزہ کا درجہ ہے۔
قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم	اے ایمان والو تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے
الصیام کما کتب علی الذین من	جیسے کہ تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا تاکہ
قبلکم لعلکم تتقون ہ	تم میں تقوے کی صفت پیدا ہو۔

اسلام میں پورے مہینہ رمضان کے روزے فرض ہیں اور جو شخص بلا کسی عذر اور مجبوری کے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے تو وہ بہت ہی سخت گنا ہگار ہی۔ ایک حدیث میں ہی کہ

"جو شخص بلا کسی معذوری اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر اس کے بدلہ ساری عمر بھی روزے رکھے تو اس کا پورا حق ادا نہ ہو سکے گا"

روزہ میں چونکہ عبادت کی نیت سے کھانے پینے اور نفسانی شہوت کے پورا کرنے سے اپنے نفس کو روکا جاتا ہے اور اللہ کے واسطے اپنی خواہشوں اور لذتوں کو قربان کیا جاتا ہی اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ثواب بھی بہت زیادہ رکھا ہی۔ ایک حدیث میں ہی۔

"جو شخص پورے ایمان و یقین کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے اور اس سے ثواب لینے کیلئے رمضان کے روزے رکھے تو اس کے پہلے سب گناہ معاف کردیئے جائینگے"

ایک دوسری حدیث میں ہی کہ

"روزہ، دوزخ کی آگ سے بچانے والی ڈھال ہی اور ایک مضبوط قلعہ ہی (جو دوزخ کے عذاب سے روزہ دار کو محفوظ رکھے گا)"

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہی کہ

"روزہ دار کیلئے خود روزہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کریگا کہ میری وجہ سے اس بندہ نے دن کو کھانا پینا اور خواہش نفس کا پورا کرنا چھوڑا تھا (پس اس کو

بخشدیا جائے اور اس کو پورا اجر دیا جائے) تو اللہ تعالیٰ روزہ کی یہ سفارش قبول فرمالے گا۔"

ان حدیثوں میں روزہ کی جو فضیلتیں بیان ہوئی ہیں ان کے علاوہ اسکی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے ـــــ جب جی چاہا کھالیا، جب جی میں آیا پی لیا، اور جب نفسانی خواہش ہوئی تو اپنے جوڑے سے لذت حاصل کرلی، یہ شان حیوانوں کی ہے۔ اور کبھی نہ کھانا کبھی نہ پینا اور جوڑے سے کبھی لذت حاصل نہ کرنا، یہ شان فرشتوں کی ہے۔ پس روزہ رکھ کر انسان دوسرے حیوانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور فرشتوں سے ایک طرح کی مناسبت اس کو حاصل ہوجاتی ہے۔ خدا ہم سب کو توفیق دے کہ روزہ کی قدر و قیمت کو سمجھیں۔

روزہ کے متعلق یہاں ہم نے بہت مختصر لکھا ہے۔ جو حضرات روزہ کی اہمیت و فضیلت اور اس کی تاثیرات کے بارہ میں اس سے زیادہ تفصیل چاہیں وہ میرا رسالہ "برکات رمضان" ملاحظہ فرمائیں، اس موضوع پر یہ مستقل اور بہت جامع رسالہ ہے۔

---

(۳) حج

اسلام کے ارکان میں سے آخری رکن حج ہے، اور اسلامی اعمال میں نماز، زکوٰۃ اور روزہ کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ قرآن شریف میں حج کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

وللہ علی الناس حج البیت	اور اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے اُن
من استطاع الیہ سبیلا	لوگوں پر جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے
ومن کفر فان اللہ غنی عن	ہوں، اور جو لوگ نہ مانیں تو اللہ بے نیاز ہے
العالمین ۝	سب دنیا سے۔

اس آیت میں حج کے فرض ہونے کا اعلان بھی فرمایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ وہ صرف ان لوگوں پر فرض ہے جو وہاں پہنچنے کی حیثیت رکھتے ہوں۔

اور آیت کے آخری حصّہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے حج کرنیکی استطاعت اور طاقت دی ہو اور وہ ناشکری سے حج نہ کریں (جیسے کہ آج کل کے بہت سے مالدار نہیں کرتے) تو اللہ تعالیٰ سب سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے اس لئے ان کے حج نہ کرنے سے اس کا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ اس ناشکری اور کفران نعمت کی وجہ سے یہ خود ہی اسکی رحمت اور عنایت سے محروم ہو جائینگے اور ان کا انجام خدانخواستہ بہت برا ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ

"جس کسی کو اللہ نے اتنا دیا ہو کہ وہ حج کر سکے لیکن اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو کوئی پروا نہیں ہے کہ خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔

بھائیو! اگر ہمارے دلوں میں ایمان و اسلام کی کچھ بھی قدر ہو اور اللہ و رسول سے کچھ بھی تعلق ہو تو اس حدیث کے معلوم ہو جانے کے بعد ہم میں سے کسی ایسے شخص کو حج سے محروم نہ رہنا چاہیئے جو وہاں پہنچ سکتا ہو۔ بہت سی حدیثوں میں حج کی اور حج کرنے والوں کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں یہاں ہم صرف دو تین حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے۔

"حج اور عمرہ کیلئے جانے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے خاص مہمان ہیں، وہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ انکی دعا قبول کرتا ہے اور مغفرت مانگیں تو انکو بخشدیتا ہے"

ایک دوسری حدیث میں ہے

"جو شخص حج کرے اور اس میں کوئی فحش اور بیہودہ حرکت نہ کرے اور اللہ کی نافرمانی نہ کرے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کے واپس آئیگا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بالکل بے گناہ تھا"

ایک اور حدیث میں ہے

"وہ حج جو خلوص کے ساتھ اور بالکل ٹھیک ادا کیا گیا ہو اور اس میں کوئی برائی اور خرابی نہ ہوئی ہو، تو اسکی جزا صرف جنت ہی جنت ہے"

اسلام کی پانچ بنیادیں

اسلام کی جن پانچ بنیادی تعلیمات کا یہاں تک بیان ہوا۔ یعنی کلمہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج —— یہ پانچوں

ارکان اسلام کہے جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے آپ نے فرمایا

"اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر قائم ہے۔ ایک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ دینا، چوتھے رمضان کے روزے رکھنا، اور پانچویں بیت اللہ کا حج کرنا اُن کیلئے جو وہاں تک پہنچ سکتے ہوں"

ان پانچ چیزوں کے ارکان اسلام اور بنیاد اسلام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام کے بنیادی فرائض ہیں اور ان پر اچھی طرح عمل کرنے سے اسلام کے باقی احکام پر عمل کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے —— یہاں ہم نے ان ارکان کی صرف اہمیت اور فضیلت بیان کی ہے، ان کے تفصیلی مسائل فقہ کی معتبر کتابوں میں دیکھے جائیں یا علماء سے دریافت کیئے جائیں۔

چوتھا سبق

تقویٰ اور پرہیز گاری

تقوے اور پرہیز گاری کی تعلیم بھی اسلام کی اصولی اور بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔

تقوے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور آخرت کے حساب کتاب پر یقین رکھتے ہوئے تمام برے کاموں اور بری باتوں سے بچا جائے اور اللہ تعالےٰ کے حکموں پر چلا جائے —— یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کی ہیں اور اپنے جن بندوں کے جو حق ہم پر لازم اور مقرر کئے ہیں اُن کو ہم ادا کریں اور جن کاموں اور جن باتوں کو حرام اور ناجائز کر دیا ہے ہم اُن سے بچیں اور ان کے پاس بھی نہ جائیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہیں۔

قرآن و حدیث میں بڑی تاکید کے ساتھ اور بار بار اس تقوے کی تعلیم دی گئی ہے، ہم صرف چند آیتیں اور حدیثیں یہاں درج کرتے ہیں۔ سورۂ حشر میں فرمایا گیا ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو (اور تقویٰ اختیار کرو)
لتنظر نفس ما قدمت لغد ط	اور ہر شخص کو چاہئے کہ وہ دیکھے اور غور کرے کہ اُسے کل کیلئے
واتقوا اللہ ان اللہ خبیر	(یعنی آخرت کیلئے) کیا عمل کئے ہیں، اور دیکھو اللہ سے ڈرتے رہو
بما تعملون ہ	وہ تمہارے سب عملوں سے پوری طرح خبردار ہے۔

قرآن شریف ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور تقویٰ اور پرہیز گاری کے ساتھ زندگی گذاریں، دنیا میں بھی اُن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ انکی بڑی مدد کرتا ہے۔

و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا	اور جو لوگ ڈریں اللہ سے تو اللہ اُنکے واسطے راستے پیدا
و یرزقہ من حیث لا یحتسب ہ	کرتا ہے اور ان کو ایسے طریقوں سے رزق دیتا ہے جس کا
(الطلاق ع ۱)	ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

قرآن شریف ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں تقویٰ ہوتا ہے وہ اللہ کے ولی ہوتے ہیں اور پھر ان کو کسی دوسری چیز کا ڈر اور رنج بالکل نہیں ہوتا۔ ارشاد ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم
ولا ہم یحزنون ہ الذین اٰمنوا و
کانوا یتقون ہ لہم البشریٰ
فی الحیوٰۃ الدنیا والآخرۃ ہ (یونس ۷۶)

یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کے جو ولی ہوتے ہیں انھیں کوئی خوف اور غم نہیں ہوتا یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو سچے مومن اور متقی ہوں، انکے واسطے بشارت ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ان متقی اور پرہیزگار لوگوں کو جو نعمتیں آخرت میں ملنے والی ہیں ان کا کچھ ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

قل أؤنبئکم بخیر من ذالکم
الذین اتقوا عند ربہم جنت تجری
من تحتہا الانہار خالدین فیہا
وازواج مطہرۃ ورضوان من اللہ
واللہ بصیر بالعباد ہ (آل عمران ۲۶)

(اے رسول! ان لوگوں سے) آپ کہئے کیا میں تمھیں وہ چیز بتاؤں جو تمھاری اس دنیا کی تمام مرغوب چیزوں اور لذتوں سے بہت بہتر ہے؟ (سنو) ان لوگوں کیلئے جو اللہ سے ڈریں اور تقویٰ والی زندگی اختیار کریں، ان کے مالک کے پاس ایسے باغہائے جنت ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور ایسی بیبیاں ہیں جو بالکل پاک صاف ہیں (اور ان کیلئے) اللہ کی رضامندی اور خوشنودی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے اپنے سب بندوں کو (سب کے ظاہر و باطن کا حال اسکی نظر میں ہے)

تقویٰ، یعنی خدا کا خوف اور آخرت کی فکر، ساری نیکیوں کی جڑ ہے جس شخص میں جتنا تقویٰ ہوگا اس میں اتنی ہی نیکیاں اور اچھائیاں جمع ہوں گی اور اتنا ہی وہ بُرے کاموں اور بری باتوں سے دور رہے گا۔۔۔ پس خوش نصیب اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ سے ڈریں اور آخرت کی فکر رکھیں۔ حدیث شریف میں ہے۔

"جسے خوف ہوگا وہ سویرے چل پڑیگا اور جو سویرے چل دیگا وہ بروقت منزل پر پہنچ جائے گا"

خدا کے خوف سے اور اس کے عذاب کے ڈر سے اگر ایک آنسو بھی آنکھ سے نکل جائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکی بڑی قدر ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

"اللہ تعالیٰ کو انسان کے دو قطروں اور اسکے دو نشانوں سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں پس دو قطرے جو اللہ کو بہت پیارے ہیں انمیں سے ایک تو آنسو کا وہ قطرہ ہے جو اللہ کے خوف سے کسی آنکھ سے نکلا ہو اور دوسرا خون کا وہ قطرہ ہے جو راہِ خدا میں کسی کے جسم سے بہا ہو

اور جو دو نشان اللہ کو بہت محبوب ہیں انمیں ایک تو وہ نشان ہے جو راہ خدا میں کسی کو لگا ہو (یعنی جہاد میں زخم لگا ہو اور اُس کا نشان رہ گیا ہو) اور دوسرا وہ نشان جو اللہ کے فرائض ادا کرنے سے پڑ گیا ہو (جیسا کہ نمازیوں کی پیشانیوں اور گھٹنوں میں ہو جاتا ہے)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

"ایسا آدمی کبھی دوزخ میں نہیں جا سکتا جو اللہ کے خوف سے روتا ہو"

الغرض خدا کا سچا خوف اور آخرت کی فکر اگر کسی کو نصیب ہو تو بڑی بات ہے اور اس خوف اور فکر سے آدمی کی زندگی سونا بن جاتی ہے۔ بھائیو خوب سمجھ لو اس چند روزہ دنیا میں جو خدا سے ڈرتا رہیگا مرنے کے بعد آخرت کی زندگی میں اُسکو کوئی خوف اور رنج و غم نہ ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیشہ ہمیشہ خوش و خرم اور بڑے چین و آرام سے رہیگا ــــ اور جو یہاں خدا سے نہ ڈریگا اور آخرت کی فکر نہ کرے گا اور دنیا ہی کی لذتوں میں مست رہیگا وہ آخرت میں بڑے دکھ اٹھائے گا اور ہزاروں برس خون کے آنسو روئے گا۔

تقویٰ یعنی خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پیدا ہونے کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ اللہ کے اُن نیک بندوں کی صحبت ہے جو خدا سے ڈرتے ہوں اور اس کے حکموں پر چلتے ہوں ــــ دوسرا ذریعہ دین کی اچھی معتبر کتابوں کا پڑھنا اور سننا ہے ــــ اور تیسرا ذریعہ یہ ہے کہ تنہائی میں بیٹھ بیٹھ کر اپنی موت کا خیال کرے اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکیوں پر جو ثواب اور گناہوں پر جو عذاب ملنے والا ہے اس کو یاد کرے اور اس کا دھیان کرے اور اپنی حالت پر غور کرے اور سوچے کہ قبر میں میرا کیا حال ہوگا اور قیامت میں جب سب بندے اُٹھائے جائینگے تو میری کیا حالت ہوگی، اور جب خدا کے سامنے پیشی ہوگی اور میرا اعمال نامہ میرے سامنے کھولا جائے گا تو میں کیا جواب دوں گا، اور کہاں منہ چھپاؤں گا۔

جو شخص ان طریقوں کو استعمال کرے گا انشاء اللہ اس کو ضرور تقویٰ نصیب ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب کرے

پانچواں سبق

معاملات میں سچّائی اور ایمانداری

معاملات میں سچائی اور ایمانداری کی تعلیم بھی اسلام کی اصولی اور بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔

قرآن شریف سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مسلمان وہی ہے جو اپنے معاملات میں اور کاروبار میں سچّا اور ایماندار ہو، عہد کا پکّا اور وعدہ کا سچّا ہو، دھوکہ فریب اور امانت میں خیانت نہ کرتا ہو، کسی کا حق نہ مارتا ہو، ناپ تول میں کمی نہ کرتا ہو، جھوٹے مقدمے نہ لڑاتا ہو اور نہ جھوٹی گواہی دیتا ہو، سود اور رشوت جیسی حرام کمائیوں سے بچتا ہو —— اور جس میں یہ باتیں موجود ہوں قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالص مومن اور اصلی مسلمان نہیں ہے بلکہ ایک طرح کا منافق ہے اور سخت درجہ کا فاسق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام بُری باتوں سے بچائے۔

اس بارہ میں قرآن وحدیث میں جو سخت تاکیدیں آئی ہیں اُن میں سے چند ہم یہاں بھی درج کرتے ہیں

قرآن شریف کی مختصر سی آیت ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا	اے ایمان والو تم کسی غلط اور ناجائز طریقہ سے
اموالکم بینکم بالباطل ط	دوسروں کا مال نہ کھاؤ۔

اس آیت نے کمائی کے اُن تمام طریقوں کو مسلمانوں کیلئے حرام کردیا ہے جو غلط اور باطل ہیں۔ جیسے دھوکہ فریب کی تجارت، امانت میں خیانت، جوا، سٹہ اور سود، رشوت وغیرہ۔ پھر دوسری آیتوں میں الگ الگ تفصیل بھی کی گئی ہے مثلاً جو دوکاندار اور سوداگر ناپ تول میں دھوکہ بازی اور بے ایمانی کرتے ہیں ان کے متعلق خصوصیت سے ارشاد ہے۔

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا	ان کم دینے والوں کیلئے بڑی تباہی (اور بڑا عذاب) ہے
علی الناس یستوفون واذا	جو دوسرے لوگوں سے جب ناپ کرلیتے ہیں تو پورا

کالوھم او وزنوھم یخسرون ہ	لیتے ہیں اور جب خود دوسروں کیلئے ناپتے ہیں تو
الا یظن اولٰئک انھم مبعوثون	کم دیتے ہیں، کیا ان کو یہ خیال نہیں ہے کہ وہ ایک بہت
لیوم عظیم ہ یوم یقوم الناس	بڑے دن اٹھائے جائینگے جس دن کہ سارے لوگ
لرب العالمین ہ	جزا و سزا کیلئے رب العٰلمین کے حضور میں حاضر ہونگے۔

دوسروں کے حق اور دوسروں کی امانتیں ادا کرنے کیلئے خاص طور سے حکم ہے۔

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات	اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جن لوگوں کی جو امانتیں (اور
الیٰ اھلھا ہ	جو حق) تم پر ہوں وہ ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو۔

اور قرآن شریف ہی میں دو جگہ اصلی مسلمانوں کی یہ صفت اور پہچان بتلائی گئی ہے۔

والذین ھم لاماناتھم وعھدھم	وہ جو امانتوں کے ادا کرنے والے اور وعدوں کا
راعون ہ	پاس رکھنے والے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر خطبوں اور وعظوں میں فرمایا کرتے تھے کہ

"یاد رکھو جسمیں امانت کا وصف نہیں اُسمیں ایمان بھی نہیں، اور جس کو اپنے عہد اور وعدہ کا پاس نہیں اس کا دین میں کچھ حصہ نہیں"

ایک اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"منافق کی تین ۳ نشانیاں ہیں جھوٹ بولنا، امانت میں خیانت کرنا اور وعدہ پورا نہ کرنا"

تجارت اور سوداگری میں دھوکہ فریب کرنے والوں کے متعلق آپ نے فرمایا۔

"جو دھوکہ بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں، اور مکر و فریب دوزخ میں لیجانے والی چیز ہے"

یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائی جبکہ ایک دفعہ مدینہ کے بازار میں آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ بیچنے کے لئے اُسنے غلہ کا ڈھیر لگا رکھا ہے لیکن اوپر سوکھا غلہ ڈال رکھا ہے اور اندر کچھ تری ہے۔ اس پر حضور نے یہ ارشاد فرمایا

پس جو دُکاندار گاہکوں کو مال کا اچھا نمونہ دکھائیں اور جو عیب ہو اُس کو ظاہر نہ کریں تو حضور کی اس حدیث کے مطابق سچے مسلمانوں میں سے نہیں ہیں اور خدا نکردہ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔

اسی طرح سود اور رشوت کا لین دین بھی (اگرچہ دونوں طرف کی رضامندی سے ہو) قطعاً حرام ہے اور ان کے دینے والوں پر حدیثوں میں صاف صاف لعنت آئی ہے۔ سود کے متعلق تو مشہور حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اللہ کی لعنت ہو سود کے لینے والے پر اور دینے والے پر اور سودی دستاویز لکھنے والے پر اور اُس کے گواہوں پر"

اور اسی طرح رشوت کے بارہ میں حدیث شریف میں ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی رشوت کے لینے والے پر اور دینے والے پر"۔

اسی طرح جھوٹی گواہی اور جھوٹی مقدمہ بازی کے ذریعہ مال حاصل کرنا بھی ایک لعنتی کام ہے جس پر قرآن شریف میں صاف صاف لعنت آئی ہے۔ "لعنۃ اللہ علی الکٰذبین"

بھائیو! خوب سوچو یہ سب گناہ جن کا اوپر ذکر ہوا نہایت سخت درجہ کے گناہ ہیں جو مسلمان کے ایمان و اسلام کو برباد کر دیتے ہیں اور اس کو اللہ کی لعنت اور سخت عذاب کا مستحق بنا دیتے ہیں، لیکن ہم میں سے بہت سے ان گندگیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنی زندگیوں کو ان ناپاکیوں اور گندگیوں سے پاک و صاف کریں اور سچے مسلمان اور ایماندار بنیں، تاکہ دنیا اور آخرت میں اللہ کی رحمت کے اور نجات کے مستحق ہوں۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"تم چھ۶ باتوں کی ذمہ داری لے لو تو میں تمھارے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ جب۱ بات کرو تو سچ بولو، اور جب۲ وعدہ کرو تو اُسے پورا کرو، اور جب۳ کوئی امانت تمھارے سپرد کی جاوے تو اُس کو ٹھیک ادا کرو، اور۴ اپنی شرمگاہوں کو بدکاری سے محفوظ رکھو، اور۵ اپنی نگاہیں نیچی رکھو، اور۶ اپنے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ"۔

مجدد الف ثانیؒ کا ایک خاص تجدیدی کام

(از جناب مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی استاذ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

(۲)

رسالت

تمہید دین و دنیا کے اہم ترین اور اولین سوالات جن کے صحیح جواب پر اس زندگی کی درستی اور صحیح انتظام اور آخرت کی نجات کا دار و مدار ہے یہ ہیں کہ اس دنیا کا بنانے والا کون ہے، اس کے کیا صفات ہیں اس کا ہم سے کیا تعلق ہو، اور ہمارا اس سے کیا اور کیسا تعلق ہونا چاہیئے، اس کی پسندیدگی اور خوشی کی چیزیں کیا ہیں اور ناپسندیدگی اور ناراضی کی کیا؟ کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے، اگر ہو تو اس کی نوعیت کیا ہو اور اس کے لئے اس زندگی میں کیا ہدایات ہیں؟

ان سوالات کے جواب کی تفصیل میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال، عالم کے حدوث و قدم، آخرت، جنت، دوزخ، وحی اور فرشتوں کے وجود کی بحث اور بعض وہ دوسرے مابعد الطبیعیاتی مباحث میں آجاتے ہیں جو عقائد اور مذہب کے اصول کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان سوالات کے جواب اور ان مسائل کے حل کے عموماً دنیا میں دو تجربے کئے گئے ہیں، ایک عقلی، دوسرا اشراقی، پہلے کا نتیجہ فلسفہ ہے اور دوسرے کا نتیجہ اشراقی تصوف۔

لیکن اصولی اور تنقیدی حیثیت سے یہ دونوں تجربے اور کوششیں بنیادی طور پر غلط اور چند ابتدائی غلط فہمیوں پر مبنی ہیں۔ مکتوبات کے اقتباسات سے پہلے تمہید کے طور پر اس کی مختصر تشریح کرنا مناسب معلوم ہوتی ہے۔

عقل کے متعلق سب سے پہلے یہ حقیقت یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنا طبعی فریضہ (اکتشاف و تحقیق و استدلال) انجام دینے میں آزاد نہیں ہے، اس کو اپنے سے کمتر چیزوں کی احتیاج ہے اس کا کام یہ ہے کہ محسوسات اور معلومات اور تجربات کے ذریعہ غیر محسوس اور غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرے اور اپنے ذخیرۂ معلومات اور مبادی و مقدمات کی مدد سے اور ان کو علمی طور پر مرتب کرکے وہ اس نتیجہ تک پہونچے جو اس کو ابھی تک حاصل

نہیں تھا اور محض حواس وتجربہ سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا، تمام معقولات کی تحلیل اور ان کا تجزیہ کرنے سے یہی حقیقت ظاہر ہوگی کہ عقل ان حقائق اور بلند معلومات تک انھیں حقیر محسوسات اور ابتدائی معلومات کی مدد سے پہنچی ہے جو بلا کسی عقلی اور علمی تربیت کے ان عظیم الشان نتائج تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔

پس صاف ظاہر ہے کہ جہاں انسان کے حواس قطعاً کام نہ کرسکتے ہوں جہاں اس کے پاس معلومات کا سرے سے کوئی ذخیرہ نہ ہو اور جس کے مبادی سے بھی وہ بالکل محروم ہو، جہاں کی حقیقت حال کا اس کو کوئی اندازہ اور تجربہ نہ ہو، اور جہاں قیاس کی بنیاد ہی موجود نہ ہو، وہاں اس کی عقل و ذہانت اور اس کا قیاس کیا کام کرسکتا ہے، وہاں اس کی عقل اسی طرح بے بس ہوتی ہے جس طرح انسان کشتی کے بغیر سمندر کو عبور نہیں کرسکتا اور طیارہ کے بغیر پرواز سے عاجز ہے، ذہین آدمی اعداد سے واقفیت کے بغیر ریاضی کا کوئی سوال حل نہیں کرسکتا، جس شخص نے کسی زبان کا رسم الخط نہیں سیکھا وہ اس کا حرف شناس بھی نہیں ہو، وہ ہزار عقل و قیاس سے کام لے اس زبان کی ایک سطر نہیں پڑھ سکتا، بعینہ اسی طرح مندرجہ بالا سوالات محض عقل سے حل نہیں کئے جاسکتے، کیونکہ اس کے مبادی بھی انسان کو حاصل نہیں، نہ وہاں قیاس کی کوئی گنجائش ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ عقل کی قوت اور اس کا عمل محدود ہے، اس کا ایک دائرہ ہے جس سے وہ باہر نہیں جاسکتی۔ جس طرح انسان کے حواس کے علیحدہ علیحدہ دائرے ہیں اور ان کا عمل ان کے اندر محدود ہے حاسۂ بصارت سے ہزاروں مبصرات کا ادراک ہوسکتا ہے لیکن ایک آواز بھی وہ اخذ نہیں کرسکتا، اسی طرح دوسرے حواس، پھر اپنے ان مخصوص محسوسات اور دائرۂ عمل میں بھی ان کی قوت اور ان کا عمل غیر محدود نہیں، اسی طرح عقل اگرچہ اس کا میدان ان حواس ظاہری سے زیادہ وسیع ہے لیکن بہرحال محدود ہے۔ ابن خلدون کے عالمانہ الفاظ میں عقل ایک صحیح ترازو ہو اس کے فیصلے یقینی ہیں جن میں کوئی دروغ نہیں لیکن تم اس ترازو میں امور توحید، امور آخرت، حقیقت نبوت، حقائق صفات الٰہی اور وہ تمام امور و حقائق جو ماوراء عقل ہیں تول نہیں سکتے، یہ لاحاصل کوشش ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لئے ہے، اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا جو ناممکن ہو اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا، لیکن اسکی گنجائش کی ایک حد ہے، اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی، وہ اللہ اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کرسکتی، اس لئے

کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے (مقدمہ ص۳۳۲) تیسری بات یہ ہے کہ عقل میں پوری بے آمیزی اور اس کے فیصلوں اور نتائج میں مکمل غیر جانبداری بہت مشکل ہے، اہل حقیقت جانتے ہیں کہ "عقل خالص" اور "عقل مجرد" سے زیادہ عنقا صفت چیز دنیا میں مشکل سے کوئی ہوگی، جذبات و خواہشات، ماحول، خاص تعلیم و تربیت، مخصوص اعتقادات و نظریات، وہم و خیال، سہو و نسیان کے اثر سے وہ مشکل سے آزاد ہوتی ہے، اس لئے اس کے فیصلوں میں ہمیشہ صداقت اور اسکے نتائج میں قطعیت پیدا ہونا اتنا آسان اور عمومی نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔

لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ فلاسفہ نے ان تمام حقیقتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے موضوع کے تعین میں غلطی کی، اور خدا کی ذات و صفات اور اس کے متعلقات پر بلا کسی سامان و اسباب اور بلا کسی علم و روشنی کے ایسی تفصیل و تدقیق اور ایسے وثوق و علم سے بحث کی جو ماہر کیمیا اپنے کیمیاوی تجربوں اور تحلیل و تجزیہ کے بعد کرتا ہے، ان کے یہ مباحث و تحقیقات تمام تر فرضیات و تخمینیات اور خیالی طلسمات کا مجموعہ ہیں اور محض قیاس بر قیاس پر مبنی ہیں، یہ "الٰہیات" کا ایک اچھا خاصا طلسم ہوشربا اور فسانہ عجائب ہے، جس کا کچھ نمونہ آئندہ آئے گا۔

اس عقلیت و فلسفہ کے مقابلہ میں ایک دوسری کوشش جس کا نام "اشراق" ہے اس کا اصول یہ ہے کہ حق اور یقین کی دریافت کے لئے عقل و علم اور برہان و استدلال مفید نہیں بلکہ مضر ہیں، صداقت و حقیقت کے یقینی حصول کے لئے مشاہدہ شرط ہے اور یہ مشاہدہ صرف نور باطن، صفائی نفس اور ایک اندرونی حاسہ کو بیدار کرنے سے ممکن ہے جو روحانیات اور ماوراء طبیعیات کا اسی طرح ادراک کرتا ہے جس طرح یہ ظاہری آنکھیں ظاہری چیزوں کا ادراک کرتی ہیں اور یہ حاسہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب مادیت کو بالکل فنا اور حواس ظاہری کو مردہ کر دیا جائے، حقائق کی تحصیل اسی خالص و بے آمیز عقل (حکمت اشراق) اور اسی اندرونی روشنی (نور باطن) سے ممکن ہے جو ریاضتوں، نفس کشی اور مراقبہ و تفکر سے پیدا ہوتی ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ انسان میں یہ حاسہ باطنی موجود ہے ممکن ہے ایسے اور دوسرے حواس بھی ہوں، لیکن بہر حال یہ ایک انسانی حاسہ ہی ہے۔ اسی طرح کمزور اور محدود خطا پذیر اور متاثر ہونے والا، جس طرح انسان کی ساری طاقتیں اور انکشاف علم کے سارے ذرائع، اس کے محسوسات اور مشاہدات میں بھی غلطی اور خود فریبی ہوتی ہے، جیسے دوسرے حواس کے نتائج میں ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو

بتوسط بعثت این بزرگواران علیہم الصلوات والتحیات از ذات وصفات خود ما ناقص عقلان وقاصر ادراکان را خبر داده است وباندازۂ فہم کوتاہ ما بر کمالات ذاتیہ وصفاتیہ خود اطلاع بخشیدہ ومرضی خود را از نامرضی خویش جدا ساختہ ومنافع دنیوی واخروی ما را از مضار ما ممتاز فرمودہ اگر توسل وجود شریف شان نبودی عقول بشری در اثبات صانع تعالیٰ عاجز بودے ودر ادراک کمالات او سبحانہ ناقص وقاصر آمدے قدمار فلاسفہ کہ خود را اکابر ارباب عقول میگیرند منکر صانع بودند واشیا را از نقصان عقل بدہر منسوب می ساختند ومجادلۂ نمرود کہ بادشاہ روئے زمین بودہ است بحضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام در اثبات خالق السمٰوٰت والارض مشہور است ودر قرآن مجید ہم مذکور وفرعون بیدولت میگفت مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ونیز فرعون بحضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام خطاب کردہ گفتہ است لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ

رحمت ہیں کیونکہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان حضرات کی بعثت کے ذریعہ ہم ناقص عقل والوں اور عاجز فہم رکھنے والوں کو اپنی ذات وصفات کی خبر دی ہے اور ہماری کوتاہ فہم کے اندازہ سے اپنی ذاتی وصفاتی کمالات کی اطلاع بخشی ہو اور اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی چیزوں کو علیحدہ علیحدہ اور ہمارے دنیوی اور اخروی منافع اور مضرات کو ممتاز فرما دیا ہے اگر ان حضرات کے وجود گرامی کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو انسانی عقلیں کارخانۂ عالم کے بنانے والے کے ثابت کرنے میں درماندہ ہو جاتیں اور اس ذات اقدس کے کمالات کے پہچاننے میں عاجز ونا کام ثابت ہوتیں، قدیم فلاسفہ جو اپنے کو سب سے بڑا عقلمند اور حکیم سمجھتے تھے عالم کے بنانیوالے کے منکر تھے اور اپنی عقل کی کوتاہی سے اشیاء کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے، زمین آسمان کے پیدا کرنیوالے کے بارہ میں نمرود کا مباحثہ جو روئے زمین کا بادشاہ تھا حضرت ابراہیم (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مشہور ہے اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے، فرعون بدبخت کہتا تھا کہ "اے اہل مصر مجھے اپنے سوا تمہارے کسی حاکم ومعبود کا علم نہیں" نیز اسنے حضرت موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے خطاب کرکے کہا کہ "اے

لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ونیز
آں بید ولت بہامان گفتہ است
يَاهَامَانُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْ اَبْلُغُ
الاسباب اسباب السمٰوٰت
فاطلع الی الٰہ موسٰی وانی لاظنہ
من الکاذبین ۔ بالجملہ عقل در اثبات
ایں دولت عظمٰی قاصر است و بدون
ہدایت ایں بزرگواران بایں دولت کے
غیر متہد ۔

وچوں بتواتر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات
دعوت ایشاں بخدا کہ خالق زمین و زمان
است جل شانہ شہرت یافت و کلمۂ ایں
بزرگواران مرتفع گشت، سفہائے ہر وقت
کہ در ثبوت صانع تردد داشتند بہ قبح خود
مطلع شدہ بے اختیار بوجود صانع قائل
گشتند و اشیاء را باو تعالیٰ مستند ساختند
ایں نوریست کہ از انوار انبیاء مقتبس
گشتہ است وایں دولتست کہ از خوان
انبیاء برروئے کار آمدہ علیہم الصلوات
والتسلیمات الی یوم التناد
الی ابد الآباد ۔

وہمچنیں سائر سمعیات کہ بہ تبلیغ انبیاء علیہم
الصلوات والسلام بما رسیدہ است از

موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کوئی اپنا معبود و حاکم ٹھہرایا
تو میں تم کو بھی قیدی بنا دوں گا" ہامان سے اسی
بدبخت نے کہا کہ "اے ہامان میرے لئے ایک اونچا محل
تیار کر تاکہ میں پہنچوں رستوں میں، رستوں میں آسمانوں کے!
پھر جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے معبود کو اور میں تو ان کو
خیال کرتا ہوں جھوٹا" خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس
دولت عظمٰی کے ثابت کرنے سے قاصر، اور
ان حضرات انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرا کا
راستہ پانے سے عاجز ہے ۔

اللہ کی معرفت انبیاء ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے

چونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے تواتر و
تسلسل کی وجہ سے خدا کی طرف (جو زمین و آسمان کا
خالق ہے جل شانہ) ان کی دعوت دینے کی شہرت
ہوئی اور ان حضرات کی بات اور پیغام بلند ہوا
تو ہر زمانہ کے بے عقل جو صانع عالم کے ثبوت کے
بارہ میں تردد کرتے تھے اپنی غلطی پر مطلع ہو کر بے اختیار
صانع کے وجود کے قائل ہو گئے اور اشیاء و مخلوقات کو
اسکی طرف منسوب کیا ۔ یہ روشنی حضرات انبیاء ہی
کے انوار سے ماخوذ ہے، اور یہ دولت انبیاء ہی کے
خوان نعمت سے ملی ہے اللہ کا درود و سلام ہو ان پر
قیامت تک بلکہ ابد الآباد تک ۔

اسی طرح وہ تمام منقولات جو انبیاء علیہم الصلوات
والتسلیمات کے پہنچانے سے پہنچے ہیں، مثلاً

بتوسط بعثت ایں بزرگواران علیہم الصلوات
والتحیات از ذات وصفات خود ما
ناقص عقلان وقاصر ادراکان را خبر دادہ
است وباندازۂ فہم کوتاہ ما بر کمالات
ذاتیہ وصفاتیہ خود اطلاع بخشیدہ ومرضی
خود را از نامرضی خویش جدا ساختہ
ومنافع دنیوی واخروی ما را از مضار
ناممتاز فرمودہ اگر توسل وجود شریف
شان نبودی عقول بشری در اثبات
صانع تعالیٰ عاجز بودے ودر ادراک
کمالات او سبحانہ ناقص وقاصر آمدے
قدمائے فلاسفہ کہ خود را اکابر ارباب عقول
میگیرند منکر صانع بودند واشیاء را
از نقصان عقل بدہر منسوب می ساختند
ومجادلۂ نمرود کہ بادشاہ روئے زمین
بودہ است بحضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ
الصلوٰۃ والسلام در اثبات خالق السمٰوٰت
والارض مشہور است ودر قرآن مجید ہم
مذکور وفرعون بیدولت میگفت
مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ونیز
فرعون بحضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ
الصلوٰۃ والسلام خطاب کردہ گفتہ
است لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ

رحمت ہیں کیونکہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان
حضرات کی بعثت کے ذریعہ ہم ناقص عقل والوں
اور عاجز فہم رکھنے والوں کو اپنی ذات وصفات
کی خبر دی ہے اور ہماری کوتاہ فہم کے اندازہ
سے اپنی ذاتی وصفاتی کمالات کی اطلاع
بخشی ہے اور اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی
کی چیزوں کو علیحدہ علیحدہ اور ہمارے دنیوی
اور اُخروی منافع اور مضرات کو ممتاز فرمادیا ہے
اگر ان حضرات کے وجود گرامی کا واسطہ درمیان
میں نہ ہوتا تو انسانی عقلیں کارخانۂ عالم کے
بنانے والے کے ثابت کرنے میں درماندہ ہوتیں
اور اس ذات اقدس کے کمالات کے پہچاننے میں عاجز
ونا کام ثابت ہوتیں، قدیم فلاسفہ جو اپنے کو سب سے
بڑا عقلمند اور حکیم سمجھتے تھے عالم کے بنانے والے
کے منکر تھے اور اپنی عقل کی کوتاہی سے اشیاء کو
زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے، زمین آسمان کے
پیدا کرنیوالے کے بارہ میں نمرود کا مباحثہ جو
روئے زمین کا بادشاہ تھا حضرت ابراہیم (علیٰ نبینا
وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مشہور ہے اور قرآن مجید
میں بھی مذکور ہے، فرعون بدبخت کہتا تھا کہ "اے
اہل مصر مجھے اپنے سوا تمہارے کسی حاکم و معبود کا
علم نہیں" نیز اس نے حضرت موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ
الصلوٰۃ والسلام) سے خطاب کر کے کہا کہ "اے

لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ونیز
آں بیدولت بہامان گفتہ است
یَاهَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ
الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ
فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّه
مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۔ بالجملہ عقل در اثبات
ایں دولت عظمیٰ قاصر است و بدون
ہدایت ایں بزرگواران بایں دولت کبریٰ
غیر مہتد۔

وچوں بتواتر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات
دعوت ایشاں بخدا کہ خالق زمین و زمان
است جل شانہ شہرت یافت و کلمۂ ایں
بزرگواران مرتفع گشت، سفہائے ہر وقت
کہ در ثبوت صانع تردد داشتند بہ تتبع خود
مطلع شدہ بے اختیار بوجود صانع قائل
گشتند و اشیاء را باو تعالیٰ مستند ساختند
ایں نوریست کہ از انوار انبیاء مقتبس
گشتہ است و ایں دولتیست کہ از خوان
انبیاء بروئے کار آمدہ علیہم الصلوات
والتسلیمات الی یوم التناد
الی ابد الآباد۔

وہمچنیں سائر سمعیات کہ بہ تبلیغ انبیاء علیہم
الصلوات والسلام بما رسیدہ است از

موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کوئی اپنا معبود و حاکم ٹھہرایا
تو میں تم کو بھی قیدی بنا دوں گا" ہامان سے اسی
بدبخت نے کہا کہ "اے ہامان میرے لئے ایک اونچا محل
تیار کر تاکہ میں پہنچوں رستوں میں، رستوں میں آسمانوں کے!
پھر جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے معبود کو اور میں تو ان کو
خیال کرتا ہوں جھوٹا" خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس
دولت عظمیٰ کے ثابت کرنے سے قاصر، اور
ان حضرات انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت کبریٰ کا
راستہ پانے سے عاجز ہے۔

اللہ کی معرفت انبیاء ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے

چونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے تواتر و
تسلسل کی وجہ سے خدا کی طرف (جو زمین آسمان کا
خالق ہے جل شانہ) ان کی دعوت دینے کی شہرت
ہوئی اور ان حضرات کی بات اور پیغام بلند ہوا
تو ہر زمانہ کے بے عقل جو صانع عالم کے ثبوت کے
بارہ میں تردد کرتے تھے اپنی غلطی پر مطلع ہو کر بے اختیار
صانع کے وجود کے قائل ہو گئے اور اشیاء مخلوقات کو
اسکی طرف منسوب کیا۔ یہ روشنی حضرات انبیاء ہی
کے انوار سے ماخوذ ہے اور یہ دولت انبیاء ہی کے
خوان نعمت سے ملی ہے اللہ کا درود و سلام ہو ان پر
قیامت تک بلکہ ابد الآباد تک۔

اسی طرح وہ تمام منقولات جو انبیاء علیہم الصلوات
والتسلیمات کے پہنچانے سے پہنچے ہیں، مثلاً

وجود صفات کمال واجبی جل سلطانہ واز
بعثت انبیاء واز عصمت ملائکہ علیہم الصلوٰۃ
والتسلیمات والتحیات والبرکات واز
حشر ونشر واز وجود بہشت و دوزخ
وتنعیم وتعذیب دائمی اینہا وامثال
اینہا کہ شریعت بآں ناطق است
عقل در ادراک شان قاصر است
وبے سماع ازیں بزرگواران در اثبات
آنہا ناقص وغیر مستقل۔

وچنانچہ در عقل ورائے طور حس است
کہ آنچہ بحس مدرک نہ شود عقل ادراک
آں می نماید ہمچنیں طور نبوت ورائے
طور عقل است آنچہ بعقل مدرک
نہ شود بتوسل نبوت بدرک می درآید
و ہر کہ ورائے طور عقل طریقے از برائے
اثبات نمی نماید فی الحقیقت منکر طور نبوت
است ومصادم بداہت است

پس از وجود انبیاء چارہ نبود تا بشکر
منعم جل سلطانہ کہ بعقل واجب است
دلالت نمایند و تعظیم مولائے نعم جل وعلا
کہ بعلم وعمل تعلق دارد واز قبل او سبحانہ
معلوم ساختہ ظاہر سازند چہ تعظیم او تعالیٰ
کہ از نزد او سبحانہ مستفاد نہ شود شایان شکر او

ذات الٰہی کے صفات کمالیہ، انبیاء کی بعثت
ملائکہ کا معصوم ہونا (علیہم الصلوٰت والتحیات والبرکات)
حشر نشر، بہشت و دوزخ کا وجود اور جنت
کی دائمی راحت وعیش اور جہنم کا دائمی عذاب
یہ اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جن کی
شریعت خبر دیتی ہے، عقل ان کو پالینے
سے قاصر ہے، اور ان حضرات (انبیاء)
سے سُنے بغیر اُن کے ثابت کرنے میں
ناقص اور تنہا ناکافی ہے۔

جسطرح عقل کا مرتبہ حواس سے ماوراء ہے | اور جس طرح
اسیطرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے | کہ عقل کا مرتبہ
حواس کے مرتبہ سے ماوراء ہے کہ جس چیز کا حواس سے
ادراک نہیں کیا جا سکتا عقل اسکا ادراک کرتی
ہے اسی طرح سے نبوت کا طریقہ عقل کے طریقہ اور
مرتبہ سے ماوراء ہے کہ جس کا عقل سے ادراک نہیں کیا جا سکتا
وہ نبوت کے وسیلہ کو ادراک میں آتا ہے جو شخص عقل کے طریقے کے
علاوہ حصول علم کیلئے کوئی اور طریقہ تسلیم نہیں کرتا وہ فی الحقیقت

خدا کی تعظیم کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر ہے | پس انبیاء
اور انبیاء کی اطلاع و تعلم پر موقوف ہے | کے وجود
سے چارہ نہیں ہے اگر محسن حقیقی جل سلطانہ (جس کی
ہستی عقل سے لازماً ثابت و ضروری ہے) کے شکر
کی طرف رہنمائی کریں اور ان احسانات کے کرنے
والے کی علمی و عملی تعظیم کو اس کی طرف سے معلوم کر کے

نیست تعالیٰ، زیرا کہ قوت بشری
در ادراک آں عاجز است بلکہ بسا است
کہ غیر تعظیم او را سبحانہ تعظیم او تعالیٰ
انگارد و از شکر بہ ہجو رود، و طریق
استفادہ تعظیم آنحضرت جل شانہ از آں
حضرت تعالیٰ و تقدس مقصود بنبوت
است و منحصر بر تبلیغ انبیاء علیہم الصلوات
والتسلیمات، و الہام کہ اولیاء راہست
مقتبس از انوار نبوت است و ماخوذ
برکات و فیوض متابعت انبیاء است
علیہم الصلوات والتسلیمات۔

و عقل درین امر اگر کفایت میکرد فلاسفہ
یونان کہ مقتدائے خود عقل را ساختہ اند
در تیہ ضلالت نمی ماندند و حق را سبحانہ
از ہمہ بیش می شناختند و حال آنکہ
جاہل ترین مردم در ذات و صفات
واجبی جل سلطانہ اینہا اند کہ حق را سبحانہ
بیکار و معطل دانستہ اند و غیر از یک چیز
و آں ہم بایجاب نہ باختیار باو تعالیٰ
مستند نہ ساختہ عقل فعال از نزد خود
تراشیدہ حوادث را از خالق السموات
والارض باز داشتہ باو منسوب
میدارند و اثر را از مؤثر حقیقی جل سلطانہ

ظاہر کریں اس لئے کہ اسکی تعظیم جو اس کے یہاں
سے معلوم نہ کی جائے اس کے شکر کے شایان شان
نہیں، اس لئے کہ انسانی قوت اس کے ادراک
کرنے سے عاجز ہو بلکہ بسا اوقات غیر تعظیم کو
وہ تعظیم سمجھنے لگتا ہے اور شکر سے ہجو کی طرف
چلا جاتا ہو اور اس سے اس کی تعظیم کا معلوم
کرنا نبوت پر منحصر ہے اور انبیاء علیہم الصلوات
والتسلیمات کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے
اولیاء کو جو الہام ہوتا ہو وہ بھی انوار نبوت سے ماخوذ ہی
اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اتباع اور پیروی
کے فیوض و برکات میں سے ہے۔

معرفت آلہی میں عقلاء یونان کی بے عقلیاں

عقل اگر اس مسئلہ میں کافی
ہوتی تو فلاسفہ یونان جنہوں
نے عقل کو اپنا مقتدیٰ بنایا ہے گمراہی کے بیابان
میں نہ بھٹکتے اور حق تعالیٰ کو اور دوسروں کے
مقابلہ میں زیادہ پہچانتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی
ذات و صفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص یہی
لوگ ہیں کہ انھوں نے حق سبحانہ کو بیکار و معطل سمجھ
لیا ہے اور سوائے ایک چیز (عقل فعال)
کے اس کو کسی چیز کا فاعل اور خالق نہیں مانتے
اور وہ بھی (ان کے خیال کے مطابق) اس سے
اضطراراً نہ کہ اختیاراً وجود میں آئی ہے انھوں
نے اپنی طرف سے عقل فعال تراشی ہے حوادث کو

منع نمودہ آنرا اثر منحوست خود می دانند[1] زمین و آسمان کے خالق سے ہٹا کر اسکی طرف منسوب

[1] یہ سب فلاسفہ یونان اور ان کے متبعین فلاسفہ کے عقائد و استدلالات ہیں جن کی تشریح و تردید فلسفہ اور علم کلام کی کتابوں میں تفصیل سے ملیں گی، اسکے اعادہ کی نہ یہاں گنجائش ہے نہ اہل فن کیلئے اسکی ضرورت، عام ناظرین کی دلچسپی کیلئے عقل فعال کا وجود (جو ان کے نزدیک درحقیقت عالم کی مدبر اور موثر ہے) نسب نامہ پیش کر دیا جاتا ہے، جو ان حکماء نے تجویز کیا ہے اور جس پر انھوں نے سارے خلق و امر کی بنیاد رکھی ہے، اس کے ایک ایک لفظ پر موافق اور مخالف دلائل و مباحث کا انبار ہے لیکن یہاں صرف فہرست شجرہ پر اکتفا کی جاتی ہے:-

"مبدأ اول (واجب الوجود) چونکہ تمام وجوہ سے واحد ہے اور یہ مسلم ہے ( ) کہ واحد سے صرف واحد کا صدور ہو سکتا ہے اور عالم مختلف چیزوں سے مرکب ہے اس لئے اس کا صدور اس سے نہیں ہو سکتا، اسکے وجود سے اس کے بلا ارادہ اختیار اور علم عقل اول کا اس طرح فیضان ہوا جس طرح چراغ سے روشنی کا فیضان ہوتا ہے اور انسان کے ساتھ سایہ ہوتا ہے۔ عقل اول ایک ایسا موجود ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے نہ تو وہ جسم ہے اور نہ کوئی جسم اس کا محل ہے اس کو اپنے نفس کی معرفت ہے اور اپنے مبدأ کی بھی، اس کا نام خواہ فرشتہ رکھا جائے خواہ عقل اول، خواہ کچھ اور اس کے وجود سے تین چیزیں لازم آتی ہیں عقل ثانی اور فلک اعلیٰ (یا فلک الافلاک) (جو نواں آسمان ہے) کا نفس اور اس فلک کا جرم، پھر عقل ثانی سے عقل ثالث اور فلک کواکب کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر اس عقل ثالث سے عقل رابع، اور فلک زحل کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل رابع سے عقل خامس اور فلک مشتری کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل خامس سے عقل سادس اور فلک مریخ کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا پھر عقل سادس سے عقل سابع اور فلک شمس کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل سابع سے عقل ثامن اور فلک زہرہ کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل ثامن سے عقل تاسع اور فلک عطارد کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل تاسع سے عقل عاشر اور فلک قمر کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، یہی عقل اخیر ہے جس کا نام عقل فعال ہے اس سے فلک قمر کا حشو لازم آیا جو ایک مادہ ہے جو عقل فعال اور طبائع افلاک کے اثر سے کون و فساد کو قبول کرتا ہے۔ پھر ان مواد میں کواکب کے حرکات کے سبب سے مختلف طرح کے امتزاج ہوتے ہیں جیسے معادن، نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے ہیں، یہ عقول عشرہ اور افلاک تسعہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

چونزد ایشاں معلول اثر علت قریبہ است علت — کرتے ہیں اور اثر کو مؤثر حقیقی سے روک کر اشی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ماقبل) یہ درحقیقت یونانیوں کا علم الاصنام ہے جس کا نام انھوں نے فلسفہ اور آلٰہیات رکھ دیا اور لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور و فکر اور مباحثہ شروع کر دیا یہ محض فرضی داستان گوئی اور افسانہ آرائی ہے جس پر بے اختیار قرآن کی یہ آیت یاد آتی ہے۔

ما اشهدتهم خلق السموٰت والارض — میں نے اُن کو آسمان و زمین کی پیدائش پر گواہ
ولا خلق انفسهم وما كنت متخذ — نہیں بنایا اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و
المضلين عضدا ه (الکہف) — بازو بنانے والا نہیں ہوں۔

امام غزالیؒ نے (اس نقشہ کو نقل کرنے کے بعد) سچ لکھا ہے کہ "یہ محض دعاوی اور تحکمات ہیں بلکہ درحقیقت ظلمات فوق ظلمات تاریکیوں پر تاریکیاں ہیں، اگر کوئی شخص اپنا ایسا خواب بھی دیکھنا بیان کرے تو اس کے سوء مزاج کی دلیل ہوگی (تہافت الفلاسفہ ص۳۰)

دوسری جگہ کہتے ہیں کہ "مجھے حیرت ہو کر دیوانہ آدمی بھی ان خود ساختہ باتوں پر کیسے قانع ہو سکتا ہے چہ جائیکہ وہ عقلا جو اپنے خیال میں معقولات میں بال کی کھال نکالتے ہوں (تہافت ص۳۳)

ان فلاسفہ نے اللہ سے تمام صفات کمال اور تمام مخلوقات کی خلق و صفت کی نفی کی اور اس کو بالکل معطل و غیر مختار ثابت کیا اور سب اپنے نزدیک ذات واجب الوجود کی تعظیم و تنزیہ کے لئے کیا۔ امام غزالی اس موقع پر بے خود ہو کر لکھتے ہیں:۔

من قنع ان يكون قوله فی الله تعالیٰ — جو اس پر قانع ہو کہ اللہ کے بارہ میں اس کے
راجعا الی هذه الرتبة فقد جعله — قول کا حاصل یہ مرتبہ ہو تو اس نے اس کو ہر اس
احقر من كل موجود يعقل نفسه — موجود سے بھی زیادہ حقیر قرار دیا جس کو اپنے نفس کا
ويعقل غيره فان من يعقله ويعقل — بھی شعور ہے، اس لئے کہ جس کو دوسرے کا اور
نفسه اشرف منه اذا كان هو لا يعقل — اپنا شعور ہوگا وہ اس مرتبہ میں بلند ہوگا جس کو
الا نفسه فقد انتهی انهما التعمق — اپنے سوا کسی چیز کا شعور نہ ہو تعظیم میں یہ تو غلو
فی التعظيم الی ان ابطلوا كل ما يفهم — ان کو یہاں تک لے گئی کہ انھوں نے عظمت کے تمام
من العظمة وقربوا حاله من حال — معانی و مفہومات کو باطل کر دیا اور اس کو ایسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

بعیدہ را در حصول معلول تاثیر داشتہ اند
و بجہل ایں عدم استناد اشیاء باو تعالیٰ کمال
او سبحانہ تصور نمودہ اند و تعطیل را انگاشتہ
و حال آنکہ حضرت حق سبحانہ خود را بخلق
سمٰوٰت و ارض می ستاید و مدح خود برب
المشرق و رب المغرب می فرماید و ایں
سفیہاں را بزعم فاسد خود با حضرت حق
سبحانہ و تعالیٰ ہیچ احتیاجے نیست و باو

تراشیدہ چیز (عقل فعال) کا اثر مانتے ہیں اس
لئے کہ ان کے نزدیک معلول علت قریبہ کا نتیجہ ہوتا
ہے۔ علت بعیدہ کے لئے معلول کے حصول میں وہ
کوئی دخل و اثر نہیں مانتے اور اپنی نادانی سے ان
اشیاء کی اللہ کی طرف نسبت نہ ہونے کو اللہ کی
صفت کمال جانتے ہیں اور اس کو بیکار و معطل
ماننے کو اسکی تعظیم سمجھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالےٰ
اپنے کو خود زمین و آسمان کا خالق کہتا ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) المیت الذی لاخبر لہ
بما یجری فی العالم الا انہ فارق
المیت فی شعورہ بنفسہ فقط
وھکذا یفعل اللہ بالناکبین
عن سبیلہ والناکبین عن طریق
الھدیٰ المنکرین لقولہ تعالےٰ
ما اشھدتھم خلق السمٰوٰت والارض
ولا خلق انفسھم الظانین باللہ ظن
السوء المعتقدین ان امور الربوبیۃ
یستوی علی کنھھا القوی البشریۃ
المغرورین بعقولھم ناعمین ان فیھا مندوحۃ
عن تقلید الرسل واتباعھم فلاجرم اضطروا
الی الاعتراف بان لباب معقولاتھم رجعت
الی ما لو حکی فی منام نتعجب
منہ۔

اور اس کو ایسے مردہ کے درجہ کو پہنچا دیا جس کو
کچھ خبر نہیں، کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، بس صرف
اتنا فرق ہے کہ اس کو اپنا شعور ہے (مردہ کو یہ بھی
نہیں ہوتا) اللہ اسی طرح ان کو سزا دیتا ہے جو
اس کے راستہ سے بہک جاتے ہیں، ہدایت کے
راستہ سے کترا کر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس قول
کے منکر ہیں کہ میں نے ان کو آسمان و زمین کی پیدائش
اور خود ان کی پیدائش پر گواہ نہیں کیا جو اللہ کے
ساتھ برا گمان رکھتے ہیں جن کا اعتقاد ہے کہ
امور ربوبیت کی حقیقت و گہرائی کو انسانی طاقتیں
پورے طور پر پا سکتی ہیں جو اپنی عقلوں پر نازاں
ہیں جن کا خیال ہو کہ عقل کے ہوتے انبیاء اور
ان کے متبعین کی تقلید کی ضرورت نہیں، اس کا
لامحالہ نتیجہ یہی ہوتا تھا کہ ان کو اعتراف کرنا پڑتا ہے
کہ ان کے معقولات کا لب لباب وہ نکلا کہ اگر خواب کے طور پر
بھی بیان کیا جائے تو تعجب ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

سبحانہ ہیچ سرنیازنہ، در وقت اضطرار
واحتیاج باید کہ اینہا بعقل فعال خود
رجوع نمایند و قضائے حاجت خود را
از و خواہند کہ معاملہ را با و رجوع
داشتہ اند کہ عقل فعال نیز چوں بزعم
اینہا موجب است نہ مختار قضاء
حاجت از وے خواستن ہم غیر
معقول است اِنَّ الْکَافِرِیْنَ لَامَوْلٰی
لَھُمْ۔ عقل فعال چہ بود کہ سرانجام
اشیاء نماید و حوادث باو مستند
باشند، در نفس وجود و ثبوت او
ہزاران سخن است چہ تحقق وحصول
او مبنی بر مقدمات زر اندودہ فلسفہ
است کہ با اصول حقہ اسلامیہ ناتمام
ونافرجام اند ابلہے بود کہ اشیاء را
از قادر مختار جل شانہ باز داشتہ
بایں چنیں امر موہوم مستند سازد
وبلکہ اشیاء را ہزاراں ننگ و عار است

رب المشرق ورب المغرب کے ساتھ
اپنی تعریف بیان کرتا ہے، ان بے عقلوں کو
اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی کچھ احتیاج
نہیں اور نہ اس کے سامنے کچھ عجز و نیاز ہے
مجبوری اور ضرورت کے وقت چاہیئے کہ یہ
"اپنی عقل فعال" کی طرف رجوع کریں، اور
اپنی ضرورتوں کی تکمیل اسی سے چاہیں،
اس لئے کہ اصل قدرت اور اصل اختیار ان کے
نزدیک اسی کا ہے بلکہ عقل فعال بھی ان کے
خیال کے مطابق اپنا عمل کرنے میں مجبور محض
اور غیر مختار ہے، اس لئے اس سے بھی اپنی
ضروریات کی تکمیل چاہنا غیر معقول بات ہے
اصل یہ ہے کہ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ
کافروں کا کوئی سرپرست اور کارساز نہیں (انکا
بھی کوئی حامی و ناصر نہیں، خدا بھی ہیں اور عقل
فعال بھی ہیں) عقل آخر کیا چیز ہے جو چیزوں کا
انتظام کرتی ہے اور حوادث کے ظہور و خلق کی
اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے محض اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) انھیں سب چیزوں کو دیکھ کر نعمت رسالت کی قدر آتی ہے کہ مَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللہ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ یہ عقل کی بے بسی پر اور عقلاء و حکماء (جن کی حکمت و عقل علوم ریاضیہ اور علوم عقلیہ میں کامیاب ہوئی) کی ان مسائل الٰہیہ میں ناکامی کا سر عبرت نمونہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی طرف کس طرح ان چیزوں کی نسبت کی جن کی نسبت وہ اپنی طرف اور حقیر ترین مخلوقات کی طرف پسند نہیں کرتے اور اس کو کس طرح معطل بے اختیار لاعلم قرار دیا اور اس کو اس کی تعظیم کا عین مقتضاء سمجھا سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

کہ بثبوت فلسفی مستند باشد بلکہ اشیاء بعدم خود راضی و خورسند بودند و ہرگز میل وجود نہ نمایند ازاں کہ استناد وجود شان بمجعول مسفسطی نمودہ آید از سعادت انتساب بقدرت قادر مختار جل سلطانہ ممتنع گردند کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا کفار دار الحرب باوجود بت پرستیہا ازیں جماعت احسن حالند، کہ بحضرت حق سبحانہ جل وعلا در تنگی التجا دارند و بتہارا وسیلۂ شفاعت پیش او تعالیٰ سازند عجب تر آنکہ جمیع ایں سفہارا حکماء می نامند وبحکمت منسوب میدارند اکثر احکام ایشاں سیما در الٰہیات کہ مقصد اعلیٰ است کاذبہ اند ومخالف کتاب وسنت اطلاق حکماء برایشاں کہ سراسر جہل مرکب نصیب شان است بکدام اعتبار نمودہ آید مگر بر سبیل واستہزا گفتہ شود یا از قبیل اطلاق بصیر بر اعمیٰ شمردہ آید۔

ثابت ہونے اور اسکی ہستی میں ہزاروں اعتراض وکلام ہیں، کیونکہ اس کا ثبوت اور وجود محض فلسفہ کے گڑھے ہوئے مقدمات پر مبنی ہے جو اسلام کے قواعد صحیحہ کی روسے ناکمل اور ناقص ہیں، کوئی احمق ہی ہوگا جو اشیاء کو قادر مختار جل شانہ سے ہٹاکرایے محض ایک فرضی اور موہوم چیز کی طرف منسوب کریگا بلکہ خود ان چیزوں کو اس بات سے ہزار ہزار ننگ وعار ہو کہ وہ اپنے خلق میں فلسفہ کی ایک تراشی ہوئی بے حقیقت چیز کی طرف منسوب ہوں، بلکہ یہ چیزیں اپنے نابود ہونے پر راضی ومسرور ہوں گی، اور ان کو موجود ہونے کی کوئی خواہش نہ ہوگی، اس بات کے مقابلہ میں کہ ان کے وجود کی نسبت ایک بے حقیقت فرضی شے کی طرف ہو اور وہ قادر مختار کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم ہوجائیں (قرآن مجید میں ہے) بری بات ہو جو ان کے منھ سے نکل رہی ہے، یہ محض جھوٹ کہتے ہیں"۔ دار الحرب کے کافر اپنی بت پرستیوں کے باوجود اس جماعت (فلاسفہ) سے بہتر ہیں کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے مشکل کیوقت التجا کرتے ہیں اور بتوں کو اس کے حضور میں شفاعت کے لئے وسیلہ بناتے ہیں اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک گروہ ان احمقوں (حکماء یونان) کو حکما

کے لقب سے یاد کرتا ہو اور حکمت کی طرف اسے منسوب کرتا ہو' ان (فلاسفہ) کے اکثر مسائل خصوصاً الٰہیات میں (جو مقصد اعلیٰ ہے) غلط ہیں اور کتاب و سنت کے مخالف (حکماء) کا ان کو لقب دینا جن کا سرمایہ جہل مرکب ہے آخر کس لحاظ سے ہے' ہاں البتہ طنز و مذاق کے طور پر ہو سکتا ہے یا اس طرح جس طرح نابینا کو بینا کہا جائے۔

وجمعے ازیں سفہا کہ بے التزام طریق انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بتقلید صوفیہ آلہیہ کہ در ہر عصر از متابعان انبیاء بودہ اند علیہم الصلوات والتحیات طریق ریاضت و مجاہدات اختیار نمودہ اند و بصفائے خود مغرور گشتہ و بر خواب و خیال خود اعتماد کردہ اند و کشوف خیالیہ خود را مقتدا ساختہ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا نہ میدانند کہ ایں صفائے نفس است کہ راہے بضلالت دارد نہ صفائے قلب کہ دریچہ ہدایت است، چہ صفائے قلب منوط بمتابعت انبیاء است' علیہم الصلوات والتسلیمات و تزکیہ نفس مربوط بصفائے قلب و سیاست اوست مر نفس را، نفس کہ صفا پیدا کند باوجود ظلمت قلب کہ محل ظہور انوار قدم است حکم آں دارد کہ چراغ برافروختہ باشند از برائے

اہل اشراق و صفائی نفس

ان نادان (حکماء) کے ایک گروہ نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے راستہ کی پابندی کے بغیر صوفیہ آلہیہ (جو ہر زمانہ میں انبیاء کے پیرو اور متبع رہے ہیں) کی تقلید میں ریاضت اور مجاہدہ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اپنے وقت کی صفائی پر فریب کھایا اور اپنے خواب خیال پر اعتماد کیا اور اپنے خیالی کشف و کشوف کو اپنا مقتدا بنایا خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا، یہ نہیں جانتے کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے جو گمراہی کی طرف راستہ دکھاتی ہے نہ کہ صفائی قلب جو ہدایت کا دریچہ ہے، اس لئے کہ قلب کی صفائی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی پیروی سے وابستہ ہے، اور نفس کا تزکیہ (اصلاح و تصفیہ) قلب کی صفائی کے ساتھ مربوط ہے اور قلب کی نفس کی تربیت و اصلاح کے ساتھ، قلب جو ذات باری تعالیٰ کے انوار کا مظہر ہے اسکی ظلمت کے ساتھ نفس جو صفائی پیدا کرے اسکا حکم اس چراغ کا سا ہے جس کو اس لئے روشن

تاراج کردن دشمن کمیں کہ ابلیس
لعین بود، بالجملہ طریق مجاہدت و
ریاضت در رنگ طریق نظر و استدلال
وقتے اعتبار و اعتماد پیدا کند کہ
مقرون بتصدیق انبیاء بود علیہم
الصلوات والتسلیمات کہ از قبل حق
جل وعلا تبلیغ می نمایند و بتائید
او سبحانہ مؤید اند، کارخانۂ ایں بزرگواراں
بنزول ملائکۂ معصومین از کید دشمن
لعین محفوظ است اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ
لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ نقد وقت
شان است و دیگراں را میسر نشدہ
است و از دام نافرجام لعین رہائی
متصور نگشتہ مگر کہ التزام متابعت
ایں بزرگواراں نمودہ آید و براثر
ایشاں رفتہ شود علیہم الصلوات
والتسلیمات ۔ بیت

محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

علیہ وعلی آلہ وعلی جمیع اخوانہ
الصلوات والتسلیمات العلیٰ۔
سبحان اللہ! افلاطون کہ رئیس فلاسفہ
است دولت بعثت حضرت عیسیٰ را

کیا گیا ہو تاکہ پوشیدہ دشمن یعنی ابلیس لعین (اسکی
روشنی میں) گھر کو تاراج و برباد کردے،
حاصل کلام یہ ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت کا
طریقہ نظر و استدلال کے رنگ میں اسوقت اعتبار
و اعتماد پیدا کرے گا، جب وہ انبیاء علیہم الصلوات
والتسلیمات کی تصدیق کے ساتھ ہو جو اللہ تعالےٰ
کی طرف سے تبلیغ فرماتے ہیں اور اسکی مدد انکی
امداد کرتی ہے، ان حضرات کا نظام ایسے ملائکہ
کے نزول کی وجہ سے جو غلطی اور گناہ سے محفوظ
ہیں، دشمن لعین کے مکر سے محفوظ ہے اللہ تعالیٰ
ان کے متعلق فرماتا ہے کہ "بیشک میرے خاص
بندے تیرا (اے ابلیس) ان پر کوئی زور
نہیں"۔ اور یہ بات دوسروں کو میسر نہیں، اور
اس لعین کے نامبارک جال سے ان کی رہائی
متصور نہیں، سوائے اس کے کہ ان حضرات کی
پیروی کرے اور ان کے نقش قدم پر چلے۔ شیخ
سعدی علیہ الرحمہ نے سچ کہا: "اے سعدی سلامتی
کے راستہ پر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی
کے بغیر چلنا محال ہے" اللہ کا درود و سلام ہو انپر
اور ان کی آل اور ان کے تمام برادران انبیاء پر
سبحان اللہ! افلاطون جو رئیس فلاسفہ ہے
اس کو حضرت عیسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و
السلام کی بعثت کی دولت ملتی ہے اور وہ

علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام دریابد
وخود را از نادانی مستغنی دانستہ بآنحضرت
نگرود و از برکات نبوت بہرہ نہ گیرد
وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن
نُّورٍ ۝ قال اللہ تبارک وتعالیٰ وَلَقَدْ
سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝
إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ
جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝

عجب معاملہ است عقول ناقصۂ فلاسفہ
گویا در طرف نقیض بطور نبوت افتادہ
است ہم در مبدأ وہم در معاد واحکام
آں مخالف احکام انبیاء است علیہم الصلوات
والتسلیمات نہ ایمان باللہ درست
کردہ اند نہ ایمان بآخرت بقدم عالم
قائلند، وحال آنکہ اجماع ملیین است
برحدوث عالم بجمیع اجزائے خود
وہمچنیں بانشقاق سموٰت وانتشار کواکب
واندکاک جبال وانفجار بحار کہ بروز
قیامت موعود است قائل نیستند و
منکر حشر اجساد اند وانکار نصوص
قرآنی می نمایند ومتاخران آنہا کہ
در زمرۂ اہل اسلام خود را داخل
ساختہ اند ہمچناں بر اصول فلسفی

اپنی نادانی سے اپنے کو مستغنی جان کر آنجناب
کی طرف گرویدہ نہیں ہوتا اور نبوت کے برکات
میں سے کوئی حصہ نہیں لیتا، اللہ تعالےٰ نے
سچ فرمایا کہ "جس کو اللہ ہی روشنی نصیب
نہ کرے اس کو روشنی کہیں سے نہیں مل سکتی"۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ہماری طرف سے یہ بات
ہمارے پیغمبر بندوں کے لئے پہلے ہی سے ہو چکی
کہ انھیں کی مدد کی جائے گی اور یہ کہ ہمارا لشکر غالب"
فلاسفہ اور انبیاء کی تعلیم کا تضاد فلاسفہ کی عقل
ناقص گویا نبوت سے بالکل ضد اور مقابل
سرے پر واقع ہوئی ہے، ابتدائے عالم کے
بارہ میں بھی اور آخرت کے بارہ میں بھی ان کے
مسائل ومباحث انبیاء علیہم الصلواۃ والتسلیمات
کی تعلیمات کے بالکل مخالف ہیں، انھوں نے
نہ ایمان باللہ درست کیا، نہ ایمان بالآخرت
عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں، حالانکہ تمام
اہل ادیان واہل ملل کا اجماع ہے کہ عالم حادث
ہے، اپنے تمام اجزاء کے ساتھ، اسی طرح
آسمانوں کے پھٹ جانے، تاروں کے بکھر جانے
پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے، سمندروں کے
بہہ پڑنے کے قائل نہیں جن کا بروز قیامت
وعدہ ہے، اسی طرح اجسام کے دوبارہ زندہ
ہونے کے منکر ہیں اور قرآن کی تصریحات کا انکار

خود را سنجند، و بقدم سموٰت و کواکب
و امثال اینها قائلند و بعدم فنا
و ہلاک اینها حاکم قوت ایشان
تکذیب نصوص قرآنی است و
رزق شان انکار ضروریات دین
عجب مومن اند، بخدا و رسول ایمان
آرند آنچہ خدا و رسول او فرمودہ
است قبول ندارند، سفاہت از یں
نمی گزرد۔ "بیت"

"فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں
ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است"

ایں جماعت عمر خود را در تعلیم و تعلم
آلتے کہ عاصم از خطائے فکری است
صرف کردند و دراں باب دقتہا
نمودند، چوں بمقصد نمودند، چوں
بمقصد اقصائے ذات و صفات و
افعال واجبی رسیدند جل سلطانہ
دست و پائے خود را گم کردند و
آلتے عاصمہ را از دست دادہ
خطہا خوردند و در بیۂ ضلالت ماندند
در رنگ آنکہ شخصے سالہا آلات
حرب را تیار سازد و در وقت حرب
دست و پائے خود را گم کردہ بکار نبرد

کرتے ہیں، ان کے متاخرین جو اپنے کو اہل اسلام
کے گروہ میں شامل کرتے ہیں اسی طرح اپنے
فلسفی اصول پر جمے ہوئے ہیں اور آسمانوں
اور تاروں اور اسی طرح دوسری چیزوں کے
قدیم ہونے کے قائل ہیں اور ان کے فنا اور
ہلاک نہ ہونے کے مدعی، ان کی خوراک قرآنی
تصریحات کی تکذیب اور ان کا رزق دین کے
اصولی مسائل کا انکار ہے عجب طرح کے
مومن ہیں کہ خدا اور رسول پر ایمان لاتے لیکن خدا
اور رسول نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو قبول نہیں
کرتے، اس سے بڑھ کر حماقت نہیں ہوسکتی، کسی
شاعر نے خوب کہا ہے کہ "فلسفہ چونکہ اس کے
لفظ کا بڑا حصہ "سفہ" (حماقت ہے) اس لئے
وہ کل حماقت ہی ہو کیونکہ اصول یہ ہے کہ اکثر
کل کا حکم رکھتا ہے"۔

اس جماعت نے اپنی عمر ایسے آلہ کے (منطق)
کے سیکھنے سکھانے میں صرف کی جو فکر کی غلطی
سے محفوظ رکھنے والا ہے اور اس بارہ میں انھوں نے
بڑی زحمتیں اٹھائیں مگر جب وہ ذات و صفات و
افعال باری تعالیٰ کی بحث کو پہونچے، جو
مقصد اعلیٰ ہے تو انھوں نے ہاتھ پاؤں چھوڑ
دئے اور اس آلہ کو جو غلطی سے محفوظ رکھنے والا
ہی ہاتھ سے دیکر ٹھوکریں کھانے لگے اور گمراہی کے

برتقدیر تسلیم ایں حکم در علومے صادق باشد
کہ عقل را در آنہا استقلال و استبداد
است کہ خارج از مبحث اند، و
داخل دائرہ مالا یعنی اند و باآخرت
کہ دائمی است کار ندارند و نجات
اُخروی بآنہا مربوط نیست، سخن در
علومے است کہ عقل را در ادراک
آنہا عجز و قصور است و بطور نبوت
مربوط اند و نجات اُخروی بآنہا منوط
است، حجۃ الاسلام امام غزالی در
رسالہ منقذ عن الضلال می فرماید
کہ فلاسفہ علم طب و علم نجوم را از کتب
انبیاء ماتقدم علیٰ نبینا و علیہم الصّلوٰت
والتسلیمات سرقہ کردہ اند و خواص
ادویہ وغیر آں را کہ عقل در درک
آنہا قاصر است از صحف و کتب
منزلہ بانبیاء علیہم الصّلوات
والتسلیمات والتحیات اقتباس
نمودہ و علم تہذیب اخلاق را از کتب
صوفیہ آلہیہ کہ در ہر عصر در ہر امت
پیغمبرے بودہ اند از برائے ترویج
اباطیل خود سرقہ کردہ اند، پس
ایں سہ علم معتبر شان سرقی گشت، و

دشت و بیابان میں بھٹکنے لگے جیسے کہ ایک شخص
برسوں جنگ کے سامان و آلات کو تیار کرتا رہتا
ہے اور عین جنگ کے وقت ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتا
ہے اور اس سے کچھ بنتا نہیں، لوگ علوم فلسفہ کو
بہت باقاعدہ اور منظم سمجھتے ہیں اور غلطی اور خطا
سے محفوظ جانتے ہیں، اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے
تو یہ حکم ان علوم کے بارہ میں ہوگا جس میں عقل
تنہا کافی ہو سکتی ہے جو یہاں مبحث سے خارج
ہیں اور مالایعنی (غیر مفید مطلب) کے حکم میں
ہیں اور آخرت سے جو دائمی ہے کچھ واسطہ
نہیں رکھتے اور نجات اُخروی ان سے وابستہ
ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی اپنے رسالہ المنقذ
من الضلال میں فرماتے ہیں کہ فلاسفہ نے
علم طب اور علم نجوم کو انبیاء متقدمین کی کتابوں
سے چرایا ہے اور ادویہ کے خواص وغیرہ ان
علوم کو جن کے ادراک میں عقل قاصر ہے انبیاء پر
نازل شدہ آسمانی صحیفوں اور کتابوں سے اقتباس
کیا ہے اور تہذیب اخلاق کے فن کو صوفیہ الٰہیہ
(جو ہر زمانہ میں کسی نہ کسی پیغمبر کی امت میں ہوتے
تھے) کی کتابوں سے اپنی باطل چیزوں کو رواج
دینے کے لئے سرقہ کر لیا ہے پس ان کے یہ تین
علم جو قابل اعتبار ہیں چرائے ہوئے ہیں اور وہ
ٹھوکریں اور گمراہیاں جو علم الٰہی میں اللہ تعالیٰ کی

وخطہا کہ در علم الٰہی در ذات وصفات
افعال واجبی جل سلطانہ خوردہ اند
ودر ایمان باللہ ودر ایمان بآخرت
مخالفتہا بنصوص قرآنی نمودہ اند
شمہ ازاں بالا ذکر یافتہ است
مانند علم ہندسہ ومثل آنکہ بآنہا
نوع اختصاص دارد واگر ملتسق و
منتظم باشد بچہ کار خواہد آمد
وکدام عذاب ووبال آخرت را
خواہد دور ساخت علامۃ اعراضہ
تعالیٰ عن العبد اشتغالہ بما
لا یعنیہ[۱] وہرچہ بآخرت
بکار نیاید مالا یعنی است
وعلم منطق کہ علم آلی است
وآنرا عاصم از خطا گفتہ اند
بکار ایشاں نیامد ودر مقصد
اسنیٰ از غلط وخطا ایشاں را
نہ برآورد، بکار دیگراں چگونہ
خواہد رسانید، ربنا لا تزغ
قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب
لنا من لدنک رحمۃ انک

ذات وصفات وافعال میں ان کو ہوئی
ہیں اور ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت
کے بارہ میں تصریحات قرآنی کی انھوں نے
جو مخالفتیں کی ہیں اس کا کچھ حصہ اوپر مذکور
ہوا۔ رہا علم ہندسہ اور اسی طرح کے
دوسرے فنون جو اس سے خاص تعلق رکھتے
ہیں، اگر وہ باقاعدہ اور منظم ہو بھی تو وہ
کیا کام آئے گا اور کس عذاب اور وبال
آخرت کو دور کرے گا، روایات
میں ہے کہ بندہ کا لایعنی (غیر مفید
مطلب) مشاغل میں مشغول ہونا، اس سے
اللہ تعالیٰ کے اعراض کی علامت
ہے اور جو آخرت کے کام نہ آئے وہ
لایعنی ہی ہے، علم منطق جو ایک ایسا علم
ہے جو (بعد کے علوم عالیہ کیلئے) ایک آلہ
کے طور پر ہے اور اس کے متعلق لوگوں نے
کہا ہے کہ وہ خطا سے حفاظت کرنے والا
ہے ان کو کام نہیں آیا اور مقصد اعلیٰ
میں ان کو خطا اور غلطی سے اس نے باہر
نہیں نکالا (ان کے کام نہ آیا تو) دوسروں
کے وہ کیا کام آئے گا اور غلطی سے کس طرح

[۱] اس قول کی نسبت حافظ ابن حجر نے حضرت حسن بصری کی طرف کی ہے اور شیخ علی متقی نے جوامع الکلم میں اس کو حدیث مرفوع کے طور پر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) روایت کیا ہے (تشیید المبانی)

اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۞

نکالے گا (اللہ تعالیٰ سے اسی کے الفاظ میں دعا ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کر اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت کی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت بخش، بیشک تو بڑا بخشنے والا ہے۔

وبعضے از مردم کہ بعلوم فلسفی سرے دارند وبتسویلات فلسفی مفتوں اند ایں جماعت را حکماء دانستہ عدیل انبیاء می دانند علیھم الصّلوات والتسلیمات بلکہ نزدیک است کہ علوم کاذبۂ ایشاں را صادقہ دانستہ برشرائع انبیاء تقدیم دہند علیھم الصّلوات والتسلیمات عاذنا اللہ سبحانہ عن الاعتقاد السوء آرے ہرگاہ ایں را حکماء دانند وعلم اینہا را حکمت گویند ناچار دریں بلا افتند، چہ حکمت عبارت از علم شے است کہ مطابق نفس الامر باشد، علومے کہ مخالف آنہا بود غیر مطابقت بنفس امر خواہد داشت۔

بعض آدمی جو علوم فلسفہ میں کچھ دخل در معقولات" رکھتے ہیں اور فلسفیانہ ملمع سازیوں کے فریب میں ہیں اس جماعت کو حکماء جان کر انبیاء علیھم الصلوات و التسلیمات کا ہمسر اور مقابل سمجھتے ہیں بلکہ قریب ہے کہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاء علیھم الصلوات و التسلیمات کی شریعتوں پر مقدم رکھیں اور ہم کو بُرے اعتقاد سے بچائے، تو ہاں جس وقت ان کو حکماء جانتے ہیں اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں، خواہ مخواہ اس بلا میں گرفتار ہوتے ہیں، اس لئے کہ حکمت نام ہے کسی شے کے اس علم کا جو حقیقت واقعی کے مطابق ہو، پس جو علوم (مثلاً انبیاء کی شریعتیں) ان علوم حکمت کے مخالف ہونگے وہ ان (حکماء) کے خیال میں حقیقت واقعی کے خلاف ہوں گے۔

بالجملہ تصدیق اینہا وتصدیق علوم اینہا مستلزم تکذیب انبیاء و تکذیب علوم انبیاء است علیھم الصّلوات والتحیات کہ ایں دو علم

خلاصہ یہ کہ ان کی تصدیق اور ان کے علوم کی تصدیق، انبیاء کی تکذیب اور انبیاء علیھم الصّلوات والتسلیمات کے علوم کی تکذیب ہے اس لئے کہ یہ دونوں

در دو طرف نقیض افتادہ اند، تصدیق
یکے مستلزم تکذیب دیگرے است، ہر کہ
خواہد ملت انبیاء را التزام نماید
واز حزب حق باشد جل علاؤ
از اہل نجات بود وہر کہ خواہد
فلسفی شود ودر گروہ شیطان باشد
وخاسر وخائب بود قال اللہ
تبارک وتعالیٰ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ
وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا
لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ
سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا
يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي
الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَ
سَآءَتْ مُرْتَفَقًا وَالسَّلَامُ
عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى والتزم
متابعة المصطفیٰ علیہ وعلیٰ
جمیع اخوانہ من الانبیاء الکرام
والملٰئکۃ العظام الصلوات
والتسلیمات اتمہا واکملہا
والسلام۔

(مکتوب ۲۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی)

(حکماء اور انبیاء کے) علوم ایک دوسرے
سے بالکل مقابل سرے پر واقع ہوئے ہیں
ایک کی تصدیق دوسرے کی تکذیب کو
مستلزم ہے، جو چاہے انبیاء کے دین کا پابند
ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی جماعت میں سے
ہو اور اہل نجات میں سے ہو اور جس کا جی
چاہے فلسفی ہو جائے اور شیطان کے گروہ
میں سے ہو اور نامراد وناکامیاب ہو۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس کا جی چاہے
ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے
بیشک ہم نے ظالموں کیلئے ایسی آگ تیار کی
ہے جس کی قناتوں نے ان کو گھیر لیا ہے اور
اگر وہ (پیاس سے) فریاد کریں گے تو اُن کی
دادرسی ایسے پانی سے کیجائے گی جو پگھلے سیسہ
کی طرح ہوگا جو منھ کو جلا دیگا اور وہ بُری چیز
ہوگی استعمال میں اور سلامتی ہو اس پر جس نے
ہدایت کی پیروی کی اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ
وسلم کے اتباع کی پابندی کی، اُن پر اور
اُن کے برادران انبیاء کرام وملٰئکہ عظام پر کمل ترین
اور اعلیٰ ترین درود وسلام ہو۔

انبیاء کی بعثت کی ضرورت اور عقل کا ناکافی ہونا

بعثت انبیاء علیہم الصلوات و
التسلیمات رحمت عالمیان است،
اگر توسط وجود ایں بزرگواراں
نمی بود ما گمراہاں را بمعرفت
ذات وصفات واجب الوجود
تعالیٰ و تقدس کہ دلالت می فرمود
و مرضیات مولاء ما راجل شانہ از
عدم مرضیات او سبحانہ کہ تمیز
می نمود، عقول ناقصۂ ما بے تائید
نور دعوت ایشاں ازیں معنی
معزول است، و افہام ناتمام
ما بے تقلید ایں بزرگواراں
دریں معاملہ مخذول، آرے عقل
ہر چند حجت است اما در حجیت
ناتمام است و بمرتبہ بلوغ
نہ رسیدہ حجت بالغہ بعثت انبیا
است علیہم الصلوات و
التسلیمات کہ عذاب و ثواب
اُخروی دائمی منوط بہ آنست
(سوال) چوں عذاب اُخروی

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات
کی بعثت دنیا والوں کے لئے رحمت ہے
اگر ان حضرات کے وجود کا ذریعہ نہ
ہوتا تو ہم گمراہوں کو اللہ تعالےٰ (جو
واجب الوجود ہے) کی ذات و صفات
کی پہچان کیطرف کون رہنمائی کرتا، اور اسکی پسندیدگی
اور ناپسندیدگی کے کاموں میں کون امتیاز
پیدا کرتا، اور ہماری ناقص عقلیں ان حضرات
انبیاء کی دعوت کی روشنی کی مدد کے بغیر
اس مطلب سے عاجز اور ہماری ناتمام
سمجھ ان حضرات کی تقلید کے بغیر
اس معاملہ میں بے بس اور درماندہ ہے
ہاں عقل ضرور حجت ہے لیکن حجت ہونے
میں نامکمل اور تاثیر و تکمیل کے
درجہ کو نہیں پہونچتی، حجت بالغہ
صرف انبیاء علیہم الصلوات
والتسلیمات کی بعثت ہے،
جس سے دائمی عذاب و ثواب
اُخروی وابستہ ہے۔
(سوال) جب دائمی عذاب اُخروی

دائمی منوط بہ بعثت شد پس بعثت را رحمت عالمیان گفتن بچہ معنی بود

(جواب)

بعثت عین رحمت است کہ سبب ذات وصفات واجب الوجود است تعالیٰ وتقدس کہ متضمن سعادات دنیویہ واخرویہ است وبدولت بعثت معلوم و میز گشتہ است، آنچہ مناسب جناب قدس او تعالیٰ است از آنچہ نامناسب جناب قدس اوست سبحانہ زیراکہ عقل لنگ و کوراکہ بداغ امکان وحدوث متسم است چہ داند کہ مناسب حضرت وجوب کہ قدم از لوازم اوست از اسماء وصفات وافعال اوکدام است ونامناسب کدام تا اطلاق آں نمودہ آید واجتناب ازیں کردہ شود بلکہ بسا است کہ از نقص خود کمال را نقصان داند ونقص را کمال انگاردہ ایں تمیز نزد فقیر شوق جمیع نعم ظاہرہ وباطنہ است، بیدولت ترانکہ امور

بعثت سے وابستہ ہے تو بعثت کو تمام دنیا والوں کے لئے رحمت کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟

بعثت رحمت ہے اسلئے	بعثت اللہ کی ذات صفات واحکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے

کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی پہچان حاصل کرنے کا سبب ہے جو تمام دنیوی واخروی سعادتوں پر مشتمل ہے۔ بعثت کی اسی دولت سے اس بات کا علم وامتیاز ہوتا ہے کہ جناب باری تعالیٰ کے مناسب شان کیا ہے اور نامناسب کیا ہے، اس لئے کہ ہماری بے بصیرت اور عاجز عقل جو امکان اور حدوث کے داغ اور نقص سے داغدار ہے اس کو کیا معلوم کہ حضرت باری جو قدیم ہے کون سے اسماء وصفات اور افعال اس کی شان کو مناسب ہیں جن کو اطلاق کیا جائے، اور کون سے نامناسب جن سے احتراز کیا جائے، بلکہ اکثر ہوتا ہے کہ اپنے نقص کی وجہ سے ہماری عقل کمال کو نقص اور نقص کو کمال جانتی ہے، یہ امتیاز (جو نبوت پیدا کرتی ہے) خاکسار کے نزدیک تمام ظاہری وباطنی نعمتوں سے بڑھ کر

نامناسبہ را بجناب قدس او تعالیٰ نسبت
دہد و اشیاء ناشائستہ را بحضرت او سبحانہ
منتسب سازد، بعثت است کہ باطل را
از حق جدا ساختہ است و نامستحق
عبادت تمیز دادہ و بعثت است کہ
براہ حق جل و علا بتوسط آں دعوت
می فرمایند و بندہا را بسعادت قرب
وصل مولیٰ جل سلطانہ میرسانند و
بوسیلۂ بعثت اطلاع بر مرضیات
مولیٰ جل شانہ میسر می شود کما مرّ
و جواز تصرف در ملک او تعالیٰ
از عدم جواز آں تمیز میگردد و
و امثال ایں فوائد بعثت بسیار است
پس مقرر شد کہ بعثت انبیاء رحمت
است و آنکہ منقاد ہوائے نفس
امارہ گشتہ بحکم شیطان لعین انکار
بعثت نماید و بمقتضائے بعثت
عمل نہ کند، گناہ بعثت چیست و
بعثت چرا رحمت نبود۔

نعمت ہے، بڑا بدبخت ہے وہ جو نامناسب
امور اور ناشائستہ اشیاء کی اس ذات
عالی سے نسبت کرے بعثت ہی ہے جس نے
باطل کو حق سے جدا کیا اور اس میں جو
عبادت کا مستحق نہیں ہے اور جو عبادت کا
مستحق ہے امتیاز پیدا کر دیا ہے بعثت
ہی کے ذریعہ یہ حضرات انبیاء اللہ تعالیٰ
کے راستہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور
بندگان خدا کو قرب الٰہی اور وصال مولیٰ
کی سعادت سے مشرف کرتے ہیں، اور
ایسی بعثت کے ذریعہ مالک جل و علا کی
رضیات کا علم حاصل ہوتا ہے جیسے کہ
اوپر بیان ہوا، اور اس کی تمیز ہوتی ہے
کہ اس کے ملک میں کسی چیز میں تصرف
جائز ہے اور کس میں جائز نہیں، بعثت کے
اس طرح کے فوائد بہت ہیں، پس ثابت
ہوا کہ انبیاء کی بعثت رحمت ہے جو شخص نفس
امارہ کی خواہشات کا پیرو ہو کر شیطان لعین کے
حکم سے بعثت کا انکار کرے اور بعثت کے
احکام و مقتضاء پر عمل نہ کرے تو اس میں بعثت کا کیا گناہ ہے اور بعثت کیوں رحمت نہ ہو۔

(سوال) عقل فی حد ذاتہ ہرچند در احکام
الٰہی جل شانہ ناقص و ناتمام است اما
چرا نتواند کہ بعد از حصول تزکیہ و تصفیہ

اشراق اور "عقل خالص" حقائق الٰیہ
کی دریافت کے لئے مفید نہیں عقل کا
خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں

(سوال)
عقل اپنی
ذات سے اگرچہ

عقل را مناسبتے و اتصال غیر متکیف
بمرتبۂ وجوب تعالت و
تقدست پیدا شود کہ بسبب آں
مناسبت و اتصال احکام از انجا
نماید و حاجت بعثت کہ بتوسط
ملک است نہ شود

(جواب) عقل ہر چند آں مناسبت
و اتصال پیدا کند اما تعلقے کہ
بایں پیکر ہیولانی داشت
بالکل زائل نہ گردد و تجرد تمام
پیدا نہ کند پس واہمہ ہمیشہ
دامنگیر او بود و متخیلہ ہرگز
خیال او را نگذارد و قوت
غضبیہ و شہویہ ہموارہ مصاحب
او بوند و رذیلۂ حرص و
شرہ ہمہ وقت ندیم او
باشند سہو و نسیان کہ از
لوازم نوع انسان است
ازو منفک نبوند، خطا و غلط
کہ از خواص ایں نشأۃ اند
از وے جدا نباشند پس عقل
شایان اعتماد نبود و احکام
ماخوذۂ او از سلطان وہم و تصرف

احکام الٰہی میں ناقص و ناتمام ہے مگر
یہ کیوں نہیں، ہوسکتا کہ صفائی نفس
اور تزکیہ کے بعد عقل کو ایک مناسبت
اور ذات الٰہی سے ایک بے کیف
اتصال پیدا ہو جائے جس کے ذریعہ
سے وہ وہاں سے احکام اخذ کرے
اور بعثت کی ضرورت جو فرشتے کے
واسطہ سے ہے نہ پڑے۔

(جواب) عقل خواہ وہ مناسبت و
اتصال پیدا کرلے مگر جو تعلق وہ اس
جسم عنصری سے رکھتی ہے وہ کلیتہً زائل
نہیں ہوتا، اور مکمل آزادی، اور
بے آمیزی وہ نہیں پیدا کرسکتی، واہمہ
ہمیشہ اس کا دامنگیر رہتا ہے اور
متخیلہ اس کے خیال کو کبھی نہیں
چھوڑتا، غصہ اور خواہش کی قوتیں
سایہ کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہیں
اور حرص و ہوس کی صفات مذموم کا
چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بھول چوک
جو انسان کے لوازم میں سے ہے اس سے
علیحدہ نہیں ہوتے، خطا اور غلطی جو
اس زندگی کے خواص میں سے ہیں اس
سے جدا نہیں ہوتے، پس عقل اعتماد کے

خیال مصون بنوند و از شائبۂ نسیان ومظنۂ خطا محفوظ نباشند بخلاف ملک کہ ازیں اوصاف پاک است وازیں رذائل مبرّا پس ناچار شایان اعتماد بود و احکام ماخوذۂ از شائبۂ وہم وخیال ومظنۂ نسیان وخطا مصون باشند و در بعضے اوقات محسوس میگردد، علومیکہ بہ تلقی روحانی اخذ نمودہ است در اثنائے تبلیغ آں بقوی وحواس، بعضے از مقدمات مسلمہ غیر صادقہ کہ از راہ وہم وخیال یا غیر آں حاصل شدہ اند بے اختیار بآں علوم منضم می شود بحیثیتے کہ دراں وقت اصلا تمیز نتواند کرد و در ثانی الحال گاہ بود کہ علم آں تمیز دہند وگاہ نہ دہند، پس لاجرم آں علوم بواسطۂ خلط آں مقدمات ہیئت کذب پیدا می کنند واز اعتماد می بر آیند۔

لائق نہیں اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام وہم وتصرف اور خیال کے اثر و اقتدار سے آزاد نہیں، اور بھول کر آمیزش اور غلطی کے شبہ سے محفوظ نہیں، بخلاف فرشتہ کے جوان صفات سے پاک ہے اور ان نقائص سے بری، پس لامحالہ وہ اعتبار کے لائق ہے اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام وہم وخیال کی آمیزش اور نسیان وغلطی کے شبہ سے محفوظ ہیں بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ وہ علوم جن کو اس نے روحانی اخذ وتحصیل کے ذریعہ سے حاصل کیا ہے، قوی اور حواس تک ان کو پہنچاتے ہیں، بعض ایسے مقدمات جو اس کے نزدیک مسلم ہیں لیکن غیر واقعی ہیں اور وہم وخیال یا کسی اور طریقہ سے حاصل ہوئے ہیں، بے اختیار ان علوم کے ساتھ اس طرح شامل ہو جاتے ہیں کہ اس وقت بالکل انکی تمیز نہیں ہونے پاتی، دوسرے وقت کبھی اس کا امتیاز عطا ہوتا ہے اور کبھی نہیں عطا ہوتا، پس لامحالہ ان علوم میں ان مقدمات کی شمولیت کی وجہ سے غیر واقعیت اور عدم صداقت کی شکل پیدا ہو جاتی ہے اور اعتبار کے لائق نہیں رہتے۔

باآنکہ گوئیم کہ حصول تصفیہ وتزکیہ

بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن نہیں

باہم یہ کہتے ہیں کہ تصفیہ

منوط است باتیان اعمال
صالحہ کہ مرضیات مولیٰ باشند
سبحانہ، واین معنی موقوف بربعثت
است چنانکہ گزشت پس بغیر بعثت
حصول حقیقت تصفیہ و تزکیہ میسّر
نمی شود و صفائے کہ کفار و اہل
فسق را حاصل می شود، آں صفائے
نفس است نہ صفائے قلب
و صفائے نفس غیر از ضلالت
نمی افزاید و بجز از
خسارت دلالت نمی نماید
وکشف بعضے از امور غیبی کہ در
وقت صفائے نفس کفار و
اہل فسق را دست می دہد،
استدراج است کہ مقصود ازاں
خرابی وخسارت آں جماعت
است۔

(مکتوب ع۲۶۶ بنام خواجہ عبداللہ وخواجہ عبیداللہ
فرزندان حضرت خواجہ باقی باللہؒ)

اور تزکیہ ان نیک اعمال سے وابستہ
ہیں جو مولیٰ جل شانہ کو پسندیدہ او
اس کے یہاں مقبول ہوں اور یہ بات
جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا بعثت پر
موقوف ہے، پس بعثت کے بغیر
صفائی اور تزکیہ کی حقیقت
نصیب نہیں ہوتی

صفائی نفس | وہ صفائی جو کفار
صفائی قلب | اور اہل فسق کو حاصل

ہوتی ہے وہ صفائی نفس ہے نہ کہ
صفائی قلب، اور صفائی نفس گمراہی
کے سوا اور کوئی چیز نہیں بڑھاتی،
اور سوائے نقصان اور تباہی کے
کوئی اور راستہ نہیں دکھاتی، بعض غیبی
امور کا کشف جو صفائی نفس کے وقت
کفار اور اہل فسق کو حاصل ہوتا ہے ایک
ڈھیل ہے جو خدا کی طرف سے ان کو دی
جاتی ہو (پھر ان کی پکڑ ہوتی ہو) اس کا مقصود
اس جماعت کی خرابی اور تباہی ہے۔

بخدمتِ گرامی

رہنمایانِ قوم و زعماءِ ملّت

مُسلمان قوم کا سب سے اہم مسئلہ؟

ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستانی مُسلمانوں کے متعلق جو خاص مسئلے پیدا ہوئے ہیں اُن میں ایک نہایت اہم بلکہ سب سے اہم مسئلہ اُن کے مُسلمان رہنے کا ہے ——— جو حضرات اسلامی فکر و نظر اور مُسلمان کا ذہن و دماغ رکھتے ہیں انھیں اس بارہ میں غالباً کوئی شک نہ ہوگا کہ انگریزی دورِ حکومت میں مُسلمانوں کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچا ہے وہ دین و اخلاق کا انحطاط اور مذہبی رُوح کا اضمحلال ہے ——— ہمیں اعتراف ہے کہ یہ انحطاط انگریزی دور سے بہت پہلے سے شروع ہوچکا تھا لیکن پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ انگریزی حکومت کے مخصوص نظام نے اور اُسکی خاص پالیسی نے دینی اور رُوحانی حیثیت سے ہم کو بالکل ہی کھوکھلا کردیا ہے۔

وہ ایمان و یقین، وہ خدا پرستی اور خدا ترسی، وہ راستبازی اور ایمانداری، وہ پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ اصول و اخلاق جن کے مجموعہ کا نام "اسلام" ہے، ذرا غور تو کیجئے آج کتنے مُسلمان ان اوصاف کے حامل ہیں؟ ——— اور اِسکے برعکس اہلِ مغرب کی پیدا کی ہوئی تشکیک و بے یقینی، غرض پرستی اور ناخدا ترسی، فواحش پسندی اور معصیت کوشی، نفس پروری اور بے حمیتی جیسی رُوحانی اور اخلاقی بیماریاں ہماری قوم میں وبائے عام کی طرح کس قدر پھیلی ہوئی ہیں ——— اور انتہا یہ ہے کہ آج اس تغیر و انحطاط کا احساس کرنیوالے اور اسکی وجہ سے اپنے دلوں میں کوئی تکلیف محسوس کرنے والے بھی بہت کم ہیں۔ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

بلکہ موجودہ مُسلمان قوم کے اُس جاہل و پسماندہ طبقہ میں جسکی وجہ سے یہاں ہماری تعداد ۴ - ۵ کروڑ بنتی ہے، بہت بڑی تعداد تو اب اس حال میں ہے کہ اُسکے پاس اسلام کے نام کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے، اور اگر خدانخواستہ کسی وقت یہ طبقہ اس نام کو بھی چھوڑ دینے کیلئے غور کرنے پر مجبور ہوا تو اس کو اپنے خیالات اور اپنی زندگی میں کسی بڑے اور مشکل تغیر کے لئے تیار ہونا نہیں پڑیگا۔

بہرحال ایسی حالت میں جبکہ انگریزی اقتدار کی طویل غلامی نے ہماری قوم کی دینی اور ایمانی حالت اس قدر کمزور کردی تھی، ملک کی تقسیم اور اُسکے نتائج نے ہندوستان میں ہمارے مذہبی وجود اور بقاء ملی

ہی کو بیحد مشکل بنا دیا ہی۔

اِس تقسیم اور بٹوارہ کے بعد یہاں کی سیاست کے نقشہ میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں اور مستقبل میں اُن سے بھی بڑی جن تبدیلیوں کے امکانات نظر آرہے ہیں، اگر آپ نے ان پر اور مسلمان قوم پر پڑنے والے اُنکے اثرات پر غور کیا ہوگا تو آپ کو ضرور اِس کا اندازہ ہوگا کہ مستقبل کے جدید ہندوستان میں غالباً صرف وہی لوگ اسلام پر قائم رہ سکیں گے جو درحقیقت مُسلمان ہوں گے یعنی جو اسلامی رُوح اور اسلامی زندگی کے حامل ہوں گے، اور ان کے علاوہ جو لوگ صرف نام کے مُسلمان ہوں گے اور اسلام اُنکی رُوح میں اور اُنکے دل میں اُترا ہوا نہ ہوگا وہ اپنی جگہ قائم نہ رہ سکیں گے، یا تو خدانخواستہ کھلم کھلا کوئی دوسری قومیت اختیار کرلینگے (جیساکہ بعض مقامات پر ہو چکا ہی اور بعض علاقوں میں اب بھی تیزی سے ہو رہا ہی) یا اگر کوئی لادینی تحریک کسی وقت اس ملک میں قوت پکڑ گئی تو وہ لادینی اور لامذہبی کی راہ اختیار کرلیں گے۔ بہرحال اسوقت مُسلمانوں کے جو طبقے دینی رُوح اور اسلامی شعور سے خالی اور اسلامی زندگی کی بُنیادوں سے بھی محروم ہیں اور اُن کے دل و دماغ پر مذہب کی کوئی خاص گرفت باقی نہیں رہی ہی مگر اسکے باوجود وہ اسلامی سوسائٹی کا جزو بنے ہوئے ہیں —— (خواہ وہ جاہل و پسماندہ طبقوں سے تعلق رکھتے ہوں، یا "تعلیمیافتہ و ترقی یافتہ" طبقہ کے افراد ہوں) سو ایسے لوگوں کے متعلق بہت بڑا خطرہ ہی کہ مستقبل کے "خاص حالات" میں کہیں اسلامی سوسائٹی سے بھی وہ اپنا رشتہ منقطع نہ کرلیں۔

بالفرض اگر ابتک ہم نے اس خطرہ کو اور اس اہمیت کو پوری طرح محسوس نہیں کیا تھا اور اس لئے اسکے بارہ میں کچھ نہیں سوچا تھا تو اب ہمیں سوچنا چاہیئے کہ اسکے لئے ہمیں کیا کرنا ہی اور ہم کیا کرسکتے ہیں۔

اگر خدانخواستہ صرف روٹی اور نوکری اور عہدوں اور نشستوں کے تناسب ہی کو ہم نے مُسلمان قوم کا اصلی مسئلہ سمجھا اور اسکے دین و ایمان اور بقاءِ ملّی کی فکر نہ کی تو ہم سے زیادہ بے بصیرت اور اسلام کی نگاہ میں ہم سے زیادہ مجرم اور مسلمان قوم کے حق میں ہم سے بڑا ظالم کوئی نہ ہوگا۔

ہماری قوم کے سیاسی اور معاشی مسائل کی جو واقعی اہمیت ہی ہم اُس سے بھی ناواقف نہیں ہیں اور خصوصاً ملک کی تقسیم کے بعد یہ مسائل جتنے نازک اور قابلِ فکر ہوگئے ہیں اس کا بھی ہمیں خوب اندازہ ہی اور اسلئے ایمانداری سے ہماری یہ رائے ہی کہ ان مسائل کو صحیح طور سے حل کرنے کیلئے جن تدبیروں اور کوششوں کی ضرورت ہی ان میں بھی کوئی کمی اور کوتاہی کرنا گناہ ہی، لیکن اسکے ساتھ ہم بہت صفائی کیساتھ عرض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے دین و ایمان اور اُنکی اخروی زندگی اور بقاءِ ملّی کی نزاکت اور اہمیت کو محسوس نہ کرنا اور اُس کیلئے اِسوقت جس فکر و تدبیر کی ضرورت ہی اُس سے غفلت برتنا اس سے بھی بڑا گناہ ہی۔

اور یہ بھی ظاہر ہی کہ اسکی تدبیر اسکے سوا کچھ نہیں ہی کہ قوم میں دینی رُوح اور اسلامی زندگی کو عام کرنیکی پوری جد و جہد کیجائے، اور اصلاحِ امت اور احیاءِ دین کی اس دعوت کو ایک "عوامی تحریک" بنا دیا جائے —— ابتک ہمارا

طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ سیاسی اور قومی تحریکات کے سلسلہ میں تو ہم نے خوب لگ لپٹ کے اور کبھی کبھی تو دن رات اور خون پسینہ ایک کر کے کام کیا ہے اور اپنی پارٹی کا پیغام امیروں کی ہر کوٹھی میں، غریبوں کے ہر جھونپڑے میں اور کسانوں کے کھیتوں اور کھلیانوں میں بھی پہنچایا ہے، ریلوں اور موٹروں میں دوڑ کے بھی پہنچایا ہے اور ہوائی جہازوں میں اُڑ کر بھی پہنچایا ہے اور بہت سے غریب اور مخلص رضاکاروں نے ہزاروں میں سائیکلوں پر دوڑ کے، اور بعضوں نے تو سیکڑوں کوس پیدل چل چل کر بھی پہنچایا ہے۔ بہرحال یہ واقعہ ہے کہ سیاسی اور قومی تحریکات کے سلسلہ میں ہماری قوم کے ہر طبقہ کے افراد نے اپنی تگ و دو اور طوفانی جد و جہد سے زمین کو پامال کر ڈالا ہے، لیکن قوم کی دینی اور اخلاقی اصلاح کے سلسلہ میں ہمارے بعض باتوفیق بزرگوں نے اگر کبھی کچھ کیا بھی ہے تو عموماً وہ اس سے زیادہ نہ ہوگا کہ کوئی مضمون لکھ دیا گیا یا کوئی رسالہ شائع کر دیا گیا یا کبھی کسی مسجد میں یا کسی مدرسہ کے جلسہ میں تقریر کر دی گئی۔ حالانکہ جو قوم دینی اور اخلاقی حیثیت سے اتنی گر گئی ہو جتنی کہ مسلمان قوم گری ہوئی ہے اور جہل و فساد جسمیں اتنا عام ہو چکا ہو جتنا کہ ہماری قوم میں اسوقت عام ہے، اُسکی درستی اس کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ اصلاحی جد و جہد کو بھی ایک "عوامی تحریک" بنا دیا جائے۔

عوامی تحریک کے لفظ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم اس کام کیلئے بھی عام سیاسی اور قومی تحریکوں کے طریقہ پر کوئی ہنگامہ خیز تحریک چلانے کے حق میں ہیں، درحقیقت ہماری مراد "عوامی تحریک" سے صرف یہ ہے کہ اس کی دعوت اور اس کا پیغام عام ہو اور پوری قوم کو اس جد و جہد کا میدان بنا لیا جائے اور ہر درجہ اور طبقہ کے لوگ اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق اس میں عملی حصہ لیں۔ تاکہ لاکھوں میں کام کرنیوالے ہزاروں ہوں اور کروروں میں کام کرنے والے لاکھوں۔

یہ کام اگرچہ عوامی ہوگا، لیکن نہایت سکون اور انتہائی سنجیدگی سے اس کو کرنا ہوگا اور اسمیں ہم کو انبیاء علیہم السلام کے مقدس طریق کار سے روشنی حاصل کرنی ہوگی بلکہ انھیں کے قدم بقدم چلنا ہوگا۔

اس کام کیلئے ہمارے سامنے جو مفصل طریق کار اور مرتب پروگرام ہے اور مدتوں کے عملی تجربہ کے بعد ہم بحمد اللہ جس پر مطمئن بھی ہو چکے ہیں، کم از کم اس کے متعلق ہمیں یقین ہے کہ موجودہ مسلمان قوم کا دینی احساس اور اسلامی درد رکھنے والا عنصر ہی اگر اس کو خلوص اور عزیمت کے ساتھ اپنا لے اور اس کام کا حق ادا کرے تو انشاء اللہ صرف تین سال میں ورنہ زیادہ سے زیادہ پانچ سال میں طول و عرض ہند میں پھیلی ہوئی پوری مسلمان قوم میں اسلامی روح اور دینی زندگی عام ہو سکتی ہے۔

عام مسلمانوں کی اس دینی و اخلاقی اصلاح اور مذہبی بیداری کا نتیجہ صرف یہی نہ ہوگا کہ مستقبل کے جدید ہندوستان میں اُنکے وجود مذہبی اور بقاء ملی اور اُن کی مخصوص تہذیب کے لیے جو خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے قوم اُس سے محفوظ ہو جائے گی بلکہ اس وقت مردہ دلی، اور خود فراموشی کی جو کیفیت قوم میں عام طور پر پیدا ہو گئی ہے انشاء اللہ وہ اس سے آپ جاتی رہے گی اور اس کے بجائے اولوالعزمی اور خود اعتمادی کی دبی ہوئی روح اُبھر آئے گی جس سے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی اور نئی طاقت پیدا ہوگی۔ غالباً ہمارے ناظرین میں سے کوئی صاحب بھی اس حقیقت سے ناواقف نہ ہونگے کہ ایمان اور ایمانی زندگی ہی مسلمان قوم کی روح حیات اور قوت محرکہ ہے اور غالباً اس حقیقت میں بھی کسی صاحب بصیرت کو شبہ نہ ہوگا کہ مسلمانوں میں اگر دینی روح اور اسلامی زندگی عام ہو جائے، یعنی وہ سچے مومن و مسلم اور خدا ترس و خدا پرست ہو جائیں اسلامی

تعلیم کے مطابق سچائی اور راستبازی ان کا اصول ہو، اور بے لاگ انصاف اور دیانداری ان کا دستور ہو، غریبوں کی خدمت اور کمزوروں کی ہمدردی ان کا شعار ہو اور سیرت کی پاکیزگی اور اخلاق میں برتری ان کا امتیاز ہو، تو جو گروہ اور جو طبقے آج اُن کے جان لیوا دشمن بنے ہوئے ہیں وہ خود اُن کا کلمہ پڑھنے لگیں گے اور کم از کم ان کے قدردان اور عقیدتمند ہو جائینگے، اور پھر دُنیا دیکھے گی کہ تناسب آبادی اور اقلیت اور اکثریت کے خود ساختہ فارمولے باقی رہتے ہیں یا "انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" اور "وعد اللّٰہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض" کا ازلی ابدی "منشور فطرت" بروئے کار آتا ہے۔

بزرگانِ محترم! ان آیتوں کو لکھتے پڑھتے اور ان کے ذریعہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں زور اور مسلمانوں کے دلوں میں گرمی پیدا کرتے کرتے تو ہماری عمریں گزر گئیں، کاش اتنی ٹھوکریں کھانے اور ذلتیں اُٹھانے کے بعد ہی اللہ کے ان محکم وعدوں پر پورا یقین کرکے ہم ان کو قوم کا لائحہ عمل بنا نا طے کر لیں اور پوری قوم کو اس راستہ پر چلانے کے لیے جد وجہد کریں۔

اے کاش! یہ آرزو پوری ہو، اور دُنیا ایک دفعہ پھر اللہ کے ان فرامین کی صداقت کا تجربہ کرے، اور ایمان والی زندگی کی معجزانہ طاقت تسخیر کا تماشہ دیکھے۔

آخر میں ہم صفائی کے ساتھ یہ بھی عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ امت میں یہ عمومی اصلاحی انقلاب برپا کرنے کے لیے اگرچہ ہمارے سامنے ایک خاص اسکیم اور خاص پروگرام ہے اور بحمد اللہ پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ ہم خود اسی پر گامزن بھی ہیں — لیکن امت کے اہل فکر و نظر کو ہماری یہ دعوت، خاص اپنے اس طریقۂ کار کے لیے نہیں ہے اور نہ ہمارا یہی مدعا ہے کہ آپ یہ کام فلاں جماعت، یا فلاں ادارہ سے وابستہ ہو کر کریں، بلکہ ہماری آرزو اور ہماری غرض صرف یہ ہے کہ اس مقصد (دینی اصلاح امت اور احیاء دین) کو آپ اپنا مقصد بنائیں اور اس کے لیے اپنی فکری اور عملی طاقتوں کو صرف کریں اور جس طریقہ کو آپ خود صحیح سمجھیں اُسی طریقہ پر کریں، ہمارے سامنے جو طریق کار ہے اور ہم جس پر عرصہ سے چل رہے ہیں اس جگہ اس کی صرف یہ خصوصیت بتلا دینا البتہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ اتنا سادہ ہے کہ نہ اُس میں کسی بڑے تنخواہ دار عملے کی ضرورت ہے، نہ قوم سے کسی بڑے فنڈ کے جمع کرنے کی۔

آپ اگر ہمارے اس پروگرام کو معلوم کرنا چاہیں تو "مسلمانانِ ہند کی کانفرنس" کے موقع پر ٹیلہ کی مسجد میں تشریف لاکر تفصیلی گفتگو فرما سکتے ہیں "کانفرنس" کے دوران میں ہمارے کام کا مرکز اور ہمارا مستقر ٹیلہ والی مسجد ہی رہے گی جو کانفرنس کے پنڈال سے قریب ہے۔

والسلام

محمد منظور نعمانی (مدیر رسالہ "الفرقان" لکھنؤ)

۲۳ر دسمبر ۱۹۴۷ء

خط و کتابت مندرجہ ذیل پتہ پر فرمائی جائے
جماعت اصلاح و تبلیغ، معرفت دفتر الفرقان
گوئن روڈ، لکھنؤ

ہمارے پروگرام کی کچھ تفصیل اس مقالہ سے معلوم ہوسکتی ہے جس کا عنوان ہے "مسلمانانِ عالم کی کمزوری کے بنیادی اسباب"

مستقبل میں مسلمان کس طرح اسلام پر قائم رہ سکتے ہیں

دینی اصلاح کی ضرورت اور اس کا پروگرام!

غالباً یہ چیز آپ کے علم میں ہو گی کہ پچھلے عرصے میں جو فسادات ہندستان میں ہوئے ہیں، ان میں بعض مقامات پر جان و مال کے خوف سے سیکڑوں ہزاروں ایسے مسلمان کہلانے والے "مرتد" بھی ہو گئے ہیں۔ جو اگرچہ پشتہا پشت سے مسلمان تھے مگر درحقیقت دین سے ان کو کچھ بھی تعلق اور لگاؤ نہ تھا۔ بلکہ وہ دین کی حقیقت سے بھی بے خبر تھے۔ ایسی حالت میں اگر وہ جان بچانے کے لیے مرتد ہو گئے تو رنج و افسوس کی بات تو بیشک ہے لیکن تعجب کی کوئی بات نہیں، وہ بیچارے صرف نام کے مسلمان تھے اور یہ نام کی مسلمانی اتنی عزیز نہیں ہو سکتی کہ کم ہمت آدمی اس کے لئے جان قربان کر سکے۔

لیکن اگر آپ نے اب تک نہ سوچا تھا تو خدارا اب تو سوچیے کہ ہماری موجودہ مسلمان قوم میں کتنی بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اگرچہ مسلمان کہلاتے ہیں لیکن اسلام کی حقیقت سے بے خبر اور اس کی قدر و قیمت سے بالکل ناآشنا ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کچھ بصیرت دی ہے تو آپ کو اس کا بھی اندازہ ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں آئندہ بھی ایسے خطرناک حالات اور واقعات کا ہر وقت امکان ہے ہندو مہاسبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے تو اس بارے میں خاص ارادے ہیں اور ان کا ایک خاص پروگرام ہے۔

بہر حال مسلمان کہلانیوالے ان کمزور اور پس ماندہ طبقوں کیلئے جو دین سے ناواقف اور اسلام سے بیخبر ہیں، ارتداد کا یہ خطرہ بالکل سامنے آگیا ہے اور اب بھی اس کو محسوس نہ کرنا صرف بے بصیرتی ہی نہیں ہے بلکہ بے بصارتی بھی ہے۔

مسلمان قوم کے دوسرے سیاسی اور قومی مسائل کی اہمیت سے ہمیں انکار نہیں اور ان کے لیے صحیح تدبیریں اور کوششیں کرنا بھی ایمان داری سے ہم ضروری جانتے ہیں بلکہ اس میں غفلت و کوتاہی کو گناہ سمجھتے ہیں لیکن مسلمانوں کو اسلام پر قائم رکھنے اور نام کے مسلمانوں کو اصلی اور حقیقی مسلمان بنانے کے کام کی

دینی اور قومی حیثیت سے جو اہمیت ہی ہم اس سے بھی واقف ہیں اور اس لئے
اس میں غفلت و کوتاہی کو بھی ہم جرم عظیم اور گناہ کبیرہ یقین کرتے ہیں اور اسلام
کے فرزندوں اور ملت کے درد مندوں کو ہم اسکی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔
یہ کام فوراً اور بلا تاخیر کرنے کا ہی۔ ارتداد کے جس خطرے کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہی
وہ بالکل سر پر ہی (بلکہ بعض مقامات پر تو اس سلسلہ میں کوششیں شروع ہوگئی ہیں
اور معاذ اللہ ارتداد کی خبریں آرہی ہیں) ہمارا فوری فریضہ ہی کہ اسکی روک تھام
کے لیے جو کچھ کر سکتے ہوں فوراً کریں۔ اور ایسی حکمت سے اور اتنی تن دہی اور
تیز رفتاری سے کریں کہ برسوں کا کام مہینوں میں بلکہ خدا توفیق دے تو دنوں میں
انجام پائے۔ اور غالباً آپ اس سے بھی متفق ہوں گے کہ اس خطرہ کا صحیح اور
پائدار علاج صرف یہی ہی کہ دین سے بےخبر اور بے تعلق قسم کے ان نام کے مسلمانوں کو
حقیقی مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے۔ اسکے علاوہ جو دوسری تدبیریں اور
دوسرے انتظامات کیے جا سکتے ہوں وہ بھی ضرور کئے جائیں لیکن ظاہر ہے کہ
وہ انتظامات صرف وقتی ہی ہو سکتے ہیں اور ان کے ذریعہ اس مقصد کا حل ہونا
یقینی بھی نہیں ہی۔ بہر حال اس وقت ہمارے سامنے سب سے اہم اور سب سے
بڑی مہم یہی ہی کہ شہروں اور دیہاتوں میں رہنے والے ان مسلمانوں کی دینی اصلاح
و تربیت کی فکر کریں جو بیچارے صرف نام کے مسلمان ہیں۔

یہ کام جتنا لمبا اور جس قدر پھیلا ہوا ہی ظاہر ہی۔ اگر ہم اس مقصد کے لئے
اسلامی مکاتب اور مدارس قائم کرنا چاہیں تو ہر ضلع میں بیسیوں مدرسے اور مکتب قائم
کرنے سے بھی کام نہیں چل سکتا، اور نہ اتنے مدرسوں کے لئے آدمی اور روپئے فراہم ہو سکتے ہیں۔
اسی طرح اگر ہم تنخواہ دار مبلغ اور واعظ مقرر کریں جو قوم کے ایسے طبقوں میں تبلیغ
کریں تو یقین فرمائیے کہ کروروں کی آبادی کے لئے کم از کم ہزاروں مبلغ ضرور چاہئیں اور
ظاہر ہے کہ نہ اتنے آدمی مل سکتے ہیں اور نہ ان کی تنخواہوں کے لئے لاکھوں روپئے کا
انتظام ہو سکتا ہے ـــــ بس اسکی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہی درحقیقت اصل اسلامی
صورت ہی اور وہ یہ کہ ہر مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے اس کو اپنا ذاتی فرض سمجھ لے، اور
اپنے دوسرے ضروری کاموں کی طرح زندگی کے پروگرام میں اس کے لئے بھی وقت نکالے،
ہماری دعوت عام مسلمانوں کو صرف یہی ہے۔ ہم آپ کو کسی انجمن یا پارٹی میں شامل ہونے
کے لئے نہیں کہتے بلکہ صرف اس کام کی دعوت دیتے ہیں۔

اور ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر ذمہ داری کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ کام کسی خاص درجہ کے علم و فضل پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان اپنی حیثیت اور قابلیت کے مطابق اس دینی خدمت میں بہت کچھ حصہ لے سکتا ہے اور عہد نبوی میں اور اس کے بعد بھی خیر القرون میں یہی دستور تھا۔ ہاں اسکے لئے کچھ اصول ہیں اور ہم وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر ان اصول کی پابندی کے ساتھ عوام مسلمان بھی یہ کام کریں تو وہ بہترین کارکن ثابت ہوں گے ــــ ان اصولوں کی تفصیل و تشریح اس مختصر تحریر میں نہیں کی جا سکتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ اصول چونکہ زیادہ تر عمل اور برتاؤ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے پرانے تجربہ کار اور آزمودہ کار کارکنوں کے ساتھ مل کر کام کرنے ہی سے ان کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

اللہ کی توفیق سے لکھنؤ میں بھی یہ کام عرصہ سے ہو رہا ہے اور اللہ کے کچھ بندے اس سلسلہ میں اپنی سی کچھ کوششیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ اس سلسلہ میں کچھ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو اس کام کو سمجھنے کے لئے اور طریق کار اور اصول سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے تھوڑا سا وقت نکالئے۔ اس طریق کار کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں ہر شخص دوسروں کی اصلاح و خدمت میں بھی حصہ لیتا ہے اور اسی کے ساتھ خود اسکی اپنی بھی دینی اصلاح اور روحانی و اخلاقی ترقی ہوتی رہتی ہے۔

ہماری اصل دعوت اور اس کا اصلی محرک

ہمارے لئے اس کام کا محرک اور موجب صرف ارتداد عام کا یہ خطرہ ہی نہیں ہے جو اب پیدا ہوا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تو وہ تازیانہ ہے جس سے اب ان لوگوں کو بھی چونک جانا چاہئے جنھوں نے نام کے ان مسلمانوں کی دینی اصلاح و تربیت کے مسئلہ کی اہمیت کبھی پہلے محسوس نہیں کی ورنہ دین سے بیخبر اور بے تعلق "مسلمانوں" کی دینی اصلاح و تربیت اور ان میں اسلامی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرنا درحقیقت ایک مستقل اور دائمی فریضہ ہے جس سے کسی وقت کوئی مسلمان مستثنیٰ نہیں۔

نیز ہمارے سامنے کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ "مسلمان قوم" میں جو طبقے دین سے بالکل بے بہرہ اور بے تعلق ہیں صرف انہی کی اصلاح کیجائے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس طبقہ میں اسلامی نقطۂ نظر سے جتنی کمی ہے اس سب کی اصلاح و درستی کی کوشش کرنا، اور پوری قوم میں اصلی اسلامی زندگی کو رواج دینا ہمارا اصل مقصد اور مطمح نظر ہے ــــ ہماری اصل دعوت یہ ہے کہ ہر مسلمان صحیح معنی میں مومن و مسلم ہو، خدا پرست اور خدا ترس ہو، اس کے اخلاق اعلیٰ اسلامی اخلاق کا نمونہ ہوں اور اس کی سیرت پاکیزہ ہو، وہ تاجر ہو تو دھوکہ بازی اور چور بازاری نہ کرے، حاکم ہو تو رشوت نہ لے اور فیصلے انصاف ہی سے کرے۔ امیر ہو تو غریبوں کی خدمت کرے اور ان کے حقوق ادا کرے، غریب ہو تو نیت پاک رکھے، غرض ہر حال میں خدا پرست، خدا ترس، اور ایماندار بنے۔

بہر حال یہ ہو ہماری اصلی دعوت اور اس اصلاحی و تبلیغی جد وجہد کی غرض وغایت۔

ہم اس کار خیر کیلئے مسلمانوں کے تمام طبقوں کو بلاتے ہیں

ہم تاجروں کو بھی بلاتے ہیں اور ملازموں کو بھی، کارخانہ داروں کو بھی بلاتے ہیں اور مزدوروں کو بھی، اسکولوں کالجوں کے طالب علموں کو بھی بلاتے ہیں اور پروفیسروں کو بھی، مذہبی اور دینی رہنماؤں سے بھی عرض کرتے ہیں اور سیاسی و قومی لیڈروں سے بھی۔ کہ یہ ہے ہم سب کے کرنے کا کام، دوسرے مفید اور صحیح کام بھی سب کیجئے لیکن اس سے غفلت نہ برتئے! مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اصلی اور بنیادی کام یہی ہو — اور اگر آپ کی کوششوں سے قوم میں اسلامی زندگی پیدا ہوجائے تو دوسرے تمام مشکل مسئلے بھی آسانی سے حل ہوسکتے ہیں " وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ " قرآن مجید کا محکم وعدہ اور اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے۔

"جماعت اصلاح وتبلیغ لکھنؤ" کا مستقل ہفتہ وار اجتماع ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد (بادشاہ باغ) میں ہوتا ہے جس میں اس دینی کام سے تعلق و دلچسپی رکھنے والے مختلف طبقوں کے لوگ جمع ہوتے ہیں، وہاں ایک اصلاحی درس بھی ہوتا ہے نو وارد حضرات کے سامنے دعوت کے مقصد اور طریق کار کی وضاحت بھی کی جاتی ہے اور وہیں کام کا پروگرام بھی بنتا ہے — لہٰذا دعوت کی تفصیلات اور اس کے طریق کار سے واقفیت حاصل کرنے کی آسان صورت یہی ہو کہ کسی جمعرات کو جناب بھی تشریف لے آئیں۔

"مسلمانان ہند کانفرنس لکھنؤ"

کے موقع پر "جماعت اصلاح وتبلیغ" کا مرکز ٹیلہ والی مسجد رہے گی جو پنڈال سے قریب ہی ہے وہاں تشریف لاکر ہماری دعوت، ہمارے اصول اور طریق کار کے متعلق مزید معلومات حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

خط وکتابت کے لئے پتہ یہ ہے :-

"جماعت اصلاح وتبلیغ" معرفت دفتر "الفرقان"

گوئن روڈ۔ لکھنؤ

(رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۲)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت

(تالیف مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

جدید اڈیشن

یہ کتاب اس دور کے مشہور مصلح اور عارف مولانا محمد الیاسؒ کی سوانح حیات ہے جس میں مولانا کے ذاتی حالات اور سوانح کے علاوہ اُنکی مشہور دینی دعوت کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جو بلاشبہ اس دور کی سب سے بڑی اور گہری دینی تحریک ہے۔

اس دعوت و تحریک کے پس منظر، اسکے بنیادی اصول اور اسکی ارتقائی منزلوں کو جس تحقیق و تنقیح کیساتھ بہترین علمی اور تصنیفی زبان میں اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ اسکے محترم مؤلف ہی کا خداداد حصہ ہے۔

اس اڈیشن میں تین اضافے نہایت اہم ہیں

(۱) شروع میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہٗ کا مفصل اور مبسوط مقدمہ ہے جس میں کتاب و سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السّلام کے اصولِ دعوت کی تشریح کر کے دکھلایا گیا ہے کہ اس دینی تحریک کو اسوۂ انبیاء سے کس درجہ کی مطابقت ہے۔

(۲) حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے نہایت اہم خطوط و مکاتیب کے تقریباً ۷۰-۸۰ اقتباسات یہ خطوط کتاب کی پہلی تیاری کے وقت نہیں مل سکے تھے۔

(۳) مولانا مرحوم کے آخری سفر حجاز کی مفصل روداد، جو حرمین میں دعوت کا سلسلہ جاری کرنے کے لئے کیا گیا تھا ——— اِن اضافوں نے کتاب کی قدر و قیمت اور اس کی تاثیر و طاقت میں بہت بڑا اضافہ کر دیا ہے۔ اسکے علاوہ نظر ثانی میں اور بھی ضروری ترمیمیں اور بعض غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔

اس مرتبہ کتابت و طباعت خاص اہتمام سے دہلی میں ہوئی ہے۔ ہر طرح دیدہ زیب ہے (قیمت ۴ؔ)

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

(محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)